ماهنامہ
مِلّیَّة
فیصل آباد
پاکستان
صفر المظفر ۱۴۳۳ھ بمطابق جنوری 2012ء
www.milliafsd.com
كلمة الحبيب
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
مکاتیبِ رئیس الاحرارؒ سے
رئیس الاحرارؒ بنام ڈاکٹر، علامہ، سر محمد اقبال
تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں
ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
شیخ الاسلام ابواسحاق شیرازی رحمہ اللہ
خواتین کے صفحات
خادمة القرآن
حضرت سیدہ فاطمة الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بچوں کے صفحات
مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
مسلماں آں فقیرے کج کلاہے
رمید از سینۂ او سوز آہے
دلش نالد چرا نالد نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے
صلی اللہ علیک وسلم دائماً ابداً
اقبال
فقیر کرم: سید انور حسین نفیس رقم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — جلد نمبر 8

بمطابق

جنوری 2012ء — شمارہ نمبر 2

فہرست مضامین

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

بفیض

حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر: جواد الرحمٰن لدھیانوی

مدیر: حماد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 25 روپے — پاکستان میں سالانہ 300 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے

جامعہ مِلّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ایک حیران کن مصدقہ خبر ہمارے سامنے ہے، ملاحظہ ہو:

واشنگٹن (مانیٹرنگ ڈیسک، اے پی پی، این این آئی) امریکی نائب صدر جوبائیڈن نے کہ ہے کہ طالبان امریکہ کے دشمن نہیں ہیں، ان سے معاہدے اور مذاکرات کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے امریکی جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ طالبان کو امریکہ دشمن سمجھ کر مذاکرات نہیں کرنے چاہییں۔ وہ تب خطرہ ہیں جب وہ القاعدہ کو امریکہ پر حملہ کرنے دیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر اُباما نے طالبان کو امریکہ کا دشمن کبھی قرار نہیں دیا۔ اگر وہ افغانستان کی موجودہ حکومت کو گرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو یہ ہمارے لئے مسئلہ ہوگا۔ کیونکہ موجودہ افغان حکومت امریکہ کو نقصان پہنچانے والوں کے خلاف ہمارے ساتھ تعاون کر رہی ہے۔ این این آئی کے مطابق جو بائیڈن نے کہا کہ افغانستان میں امریکہ کی جنگ طالبان سے نہیں بلکہ القاعدہ سے ہے۔ پاکستان اور امریکہ افغانستان میں طالبان سے خوش ہیں لیکن القاعدہ ان کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہے، جبکہ افغانستان میں ہماری جنگ القاعدہ کے خلاف ہے جو امریکہ پر حملوں کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ طالبان کی وجہ سے افغانستان پر حملہ نہیں کر رہا، افغانستان میں نیٹو کی جنگ القاعدہ کو محفوظ پناہ گاہیں مہیا کرنے والوں کے خلاف ہے، صدر اُباما نے طالبان مخالف بیان کبھی نہیں دیا، اگر طالبان نے القاعدہ کو پناہ نہ دی ہوتی تو امریکہ افغانستان پر کبھی حملہ نہ کرتا۔ جو بائیڈن کے انٹرویو پر مغربی میڈیا نے

وائٹ ہاؤس کا موقف جاننے کے لئے جب رابطہ کیا تو ترجمان وائٹ ہاؤس نے طالبان کی حمایت کے بیان کی تائید کی۔

(پاکستان اور انٹرنیشنل پرنٹ میڈیا نے جو بائیڈن کے اس بیان کو ۲۱/دسمبر ۲۰۱۱ء کو اپنے اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا)

چنانچہ امریکہ نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا ہے کہ اس نے اپنی وہ ویب سائٹ جس میں اپنے انتہائی مطلوب افراد کا نام درج کر رکھا تھا اس میں سے ملا عمر کا نام نکال دیا ہے۔

امریکہ نے بڑی دیر کر دی، اگر واقعی ایسا ہی تھا تو پھر افغانستان میں بمباری کر کے لاکھوں افرا کو موت کی گھاٹ کیوں اُتار دیا گیا، اسی طرح لاکھوں کو زخمی کر دیا، لاکھوں بے گھر ہو گئے، بلکہ یہاں تک کیا کہ جہاں جہاں بھی یہ لوگ پناہ کے لئے گئے امریکہ نے ان کا پیچھا کر کے ان کو جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ جب امریکہ نے عراق پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنایا تو یہ الزام لگایا گیا کہ عراق مہلک ہتھیار بنا چکا ہے اس سے امنِ عالم کو خطرہ ہے۔ چنانچہ امریکہ اپنے تمام تر مہلک ہتھیاروں سے لیس ہو کر عراق پر چڑھ دوڑا، اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی مگر پھر بھی وہاں سے کوئی مہلک ہتھیار برآمد نہ کر سکا تو کہہ دیا کہ ہمیں غلط اطلاع دی گئی تھی۔ بالکل اسی طرح اب امریکہ طالبان کے متعلق کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارے دشمن نہیں، ہماری ان سے کوئی لڑائی نہیں۔

اس موضوع پر آنے والے وقت میں پھر تفصیلی بات کریں گے، فی الحال ہم ان لوگوں کے لئے اپنی طرف سے دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں یا این۔ جی۔ اوز۔ کی روزی، روٹی بند ہونے والی ہے یا ان کا حقہ پانی بند ہونے کا وقت آ رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی ان لوگوں کی یہ چیزیں بند ہو چکی ہیں۔

ڈھور ڈنگروں کی طرح شاداب کُھر لیوں کے متلاشی، دسترخوانوں پر منڈلانے والی مکھیاں، اُفقِ مشرق پر نظر رکھنے والے سورج مکھی کے کھیت، ہری چراگاہوں کے بھٹکتے حریص چوپائے، بڑے پیٹوں والے سدا کے بھوکے شکم پرست، ہر آن سجدہ گاہیں بدلنے والے فرزندانِ وقت، زور آوروں کے اشاروں پر رقص کرنے والی کٹھ پتلیاں، مخصوص کھونٹوں پر بندھنے اور ممیانے والی بکریاں، یہ ان کی خصوصیات ہیں۔

پاکستان سیاسی لحاظ سے ایک ایسا ملک ہے جس میں دو قسم کے طبقے آباد ہیں۔ ایک قابض تو

دوسرا مقبوض۔اس خطے خاص کر پاکستان میں یہ قابض طبقہ تسلسل سے چلا آرہا ہے۔یہ طبقہ زمین جائیداد کا مالک ہے یہ زمین انہوں نے اپنے روپے پیسے سے نہیں خریدی بلکہ انگریز کی چاپلوسی کرنے کے صلے میں ان کو ان زمینوں، جائیدادوں کا قبضہ دیدیا گیا۔یہی مقبوضہ زمین اور جائیداد ان کی اصل طاقت ہے، انہوں نے آج تک ان زمینوں اور جائیدادوں کا قبضہ اپنے ہاتھوں سے نہیں نکلنے دیا۔جس نے بھی ان کی یہ طاقت چھیننے کی کوشش کی یہ لوگ اس کی طاقت سے خائف ہو کر اُسی کے ساتھ مل گئے اور آہستہ آہستہ اُسے بھی اپنے ساتھ قبضہ گروپ میں شامل کرلیا۔برصغیر میں اس قبضہ گروپ کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں کہ یہ ہر حکمران کے ساتھ نظر آئیں گے،یہ کبھی غیاث الدین بلبن کے صوبے دار، کبھی ہمائیوں ،کبھی جہانگیر اور کبھی شاہجہان کے ہاتھیوں کو پانی پلاتے ہوئے نظر آئیں گے، انگریز کے گھوڑوں کی مالشیں کرنا اور اس کے کتوں کو نہلانا بھی انہی کی ایک تاریخ ہے۔

یہ اسقدر تیز اور طرّار لوگ ہیں کہ ہر آنے والے حکمرانوں کی ذات، برادری اور قبیلہ میں اپنے آپ کو شمار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔یہ مغلوں میں مغل، درّانیوں میں درّانی،قریشیوں میں قریشی ،ہاشمیوں میں ہاشمی ،اعوانوں میں اعوان اور سیدوں میں سید بن جاتے ہیں۔ان لوگوں نے معاشرے کے ہر اہم مقام پر قبضہ کررکھا ہے۔انہوں نے مولویوں میں مولوی،مفتیوں میں مفتی بھی بنا رکھے ہیں جو کہ ان کے ہر ناجائز کو جائز قرار دیدیتے ہیں۔یہ لوگ دینداروں کے پاس شلوار کرتہ پہن کر ان کی مجلسوں میں جاتے ہیں اور کوٹ پتلون پہن کر انگریزوں اور دنیاداروں کی مخلوط محفلوں میں ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہوجاتے ہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں یہ انگریز کے اعزازی کپتان بن گئے۔روحانیت کا دور دیکھا تو انہوں نے کسی پرانے بزرگ سے رشتہ جوڑ کر اپنی درگاہیں بنالیں پھر مخدوم کہلانے لگے بعد میں انہی کی اولادیں مخدوم زادے بن گئیں۔ان کی وفاداری کی بنیاد پر انگریز نے ان لوگوں کو نواب اور خان بہادر کا خطاب دیا پھر انہی کی اولادیں نواب زادے اور خان زادے کہلانے لگیں ،کاروباری دور آیا تو انہوں نے ملیں لگالیں ،جمہورت کے نام سے حکومت آئی تو یہ جمہوریت کے پاسبان بن گئے ،مارشل لا آیا تو یہ فوجیوں کے ساتھ مل کر لال مسجد پر چڑھ دوڑے،اس میں بے گناہ بچیوں کو خطرناک بموں سے بھسم کرڈالا۔

۱۹۳۶ء کے میں الیکشن کانگریس نے یہ اعلان کیا کہ ہم برسر اقتدار آکر زرعی اصلاحات کریں گے،جس میں 18/ایکڑ سے زائد زمین کا مالک کوئی نہ ہوگا۔چنانچہ جس جس صوبے میں کانگریس کی حکومت بنی وہاں پر زرعی اصلاحات ہوئیں۔مغربی پاکستان کے علاقے میں صورتحال اس

طرح تھی۔ پنجاب میں نواب، ٹوانے، دولتانے، نون، قزلباش، قریشی، ہاشمی، ممدوٹ، گیلانی قابض تھے۔ خیبر پختون خواہ (سرحد) میں خوانین کا غلبہ تھا، سندھ پر وڈیرے چھائے ہوئے تھی اور بلوچستان پر سرداروں کی حکمرانی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں انہی کی بنائی ہوئی یونینسٹ قسم کی پارٹیوں کو کامیابی ہوئی، یہ عارضی کامیابی تھی۔ کانگریس کی ان زرعی اصلاحات پر یہ لوگ گھبرا گئے اور سوچا کہ اگر ایسا ہی رہا تو آئندہ الیکشن میں ہمارا صفایا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے چالاکی کے ساتھ مسلم لیگ پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ یہ لوگ ۱۹۴۶ء میں اچکن، ویسٹ کوٹ پہن کر، سروں پر قراقلی ٹوپیاں اور طغرے دار پگڑیاں سجا کر بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے پیچھے کھڑے ہوگئے، یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند میں سب سے زیادہ کردار انہی لوگوں کا ہے۔

تقسیم ہند کے وقت جب برطانوی امپائر کا سورج زوال پذیر ہوا تو اس وقت دنیا میں دو سپر طاقتیں امریکہ اور روس رہ گئیں تھیں۔ یہ دونوں طاقتیں دوسرے کو نیچا دکھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ اس طبقے نے اپنے آپ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، ایک گروہ امریکہ سے ڈالر حاصل کرکے اُسی کے نظام کو قائم رکھے ہوئے تھا تو دوسرا گروہ روسی انقلاب کو اس ملک میں درآمد کرنے پر بضد تھا، اس لئے کہ اس کو روس سے دھڑا دھڑ روبل آیا کرتے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں افغانستان کے میدان میں جب یہ دونوں طاقتیں پنجہ آزما ہوئیں تو اس طبقہ نے ان طاقتوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور کیا کچھ بھی نہیں۔ جبکہ نادار ملاؤں نے اپنا سب کچھ لُٹا کر میدان مارلیا۔ جب نادار ملاؤں نے روس کو دریائے آمو سے دور دھکیل دیا، اس کے ٹکڑے بکھیر دیئے اور افغانستان پر قابض ہوگئے۔ تو ان لوگوں کی روزی روٹی کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تھا یہ لوگ اس انتظار میں گھات لگائے بیٹھے تھے کہ کوئی حادثہ ہو تو پھر ہم اپنی بلوں سے نکل کر اپنی روزی روٹی کا بندوبست کریں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ طالبان نے افغانستان میں ایسا نظام حکومت نافذ کردیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہاں پر امن قائم ہوگیا تھا، انہوں نے تمام مسلح گروہوں کو غیر مسلح کردیا تھا، انہوں نے بڑے اور چھوٹے کا فرق ختم کردیا تھا، انہوں نے قبضہ گروپوں کو ختم کردیا، انہوں نے انصاف کا ایسا نظام متعارف کرادیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہاں پر عدالتوں کے چکر لگانے کی بجائے تین گھنٹوں میں فیصلہ کرنا شروع کردیا تھا، وہاں غریب جو روکھی سوکھی کھاتا تھا وہی ملک کا سربراہ کھاتا تھا۔ طالبان کا نافذ کردہ نظام کی پوری دنیا میں مشہوری ہوچکی تھی، کیونکہ اس میں سادگی تھی، عزت تھی، غیرت تھی۔ اسی لئے ان لوگوں کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر یہ نظام اس ملک پاکستان میں آگیا تو ہمارا کیا بنے گا۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ نائن الیون کا حادثہ ہو گیا، پھر کیا چاہیے تھا "بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے" بس پھر کیا تھا، ان روس پرستوں نے بھی امریکہ پرستوں کے ساتھ امریکہ کے سامنے نہ صرف ماتھے ٹیک دیئے بلکہ انہوں نے امریکہ کو مجبور کیا کہ وہ افغانستان پر چڑھائی کردے۔اس میں ان کے دو قسم کے مفادات تھے۔ پہلا یہ تھا کہ چونکہ امریکہ اور مذہبی قوتوں نے مل کر روس کو تباہ کیا ہے اس لئے ان دونوں قوتوں کو لڑا کر عالمی سطح پر کمزور کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کا جو دانہ روٹی، حقہ پانی بند ہو چکا ہے اس لڑائی کے ذریعہ بحال ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان لوگوں نے خوب دل کھول کر۔ ایڑیاں اونچی کر کے اپنا قد بڑھا کر اور اپنے گلے پھاڑ کر ملاؤں کے خلاف غلاظت بکنا شروع کی اور ساتھ ساتھ امریکہ سے اپنی وفاداری کا پُر زور انداز میں پروپیگنڈا کر کے امریکہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ افغانستان پر حملہ کرے۔اس میں بھی اگر غور کیا جائے تو ان لوگوں نے امریکہ کو افغانیوں سے لڑوا کر ان دونوں سے اپنی اس شکست کا بدلہ لیا جو کہ ان کو روس کے بکھرنے پر ہوئی تھی، اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے بوریاں بھر بھر کر ڈالر بیرون ملک بینکوں میں جمع کروا کر وہاں اپنی جائیدادوں اور اولادوں کو مستحکم کیا۔اس کے ساتھ ساتھ جب بھی کبھی امریکہ نے افغانستان سے نکلنے یا طالبان سے مذاکرات کی کوشش کی تو اس پر واویلا مچا دیا کہ یہ طالبان تو امریکہ کے دشمن ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک اور اس کے لئے بھی خطرہ ہیں۔اگر امریکہ چلا گیا تو ہمارا کچھ نہیں بچے گا۔اصل میں ان لوگوں نے با قاعدہ منصوبے کے تحت امریکہ کو پھنسا دیا۔ کیونکہ افغانستان ایک ایسی دلدل ہے کہ جو اس میں پھنس گیا پھر وہ مشکل ہی سے اپنی جان بچا کر نکلا ہے۔ بقول ملا عمر کے کہ "افغانستان گوند کا ایک ایسا تالاب ہے جو اس میں گر گیا تو گوند اس کو ایسے چمٹ جاتی ہے کہ پھر اس سے چھٹکارا ممکن نہیں" چنانچہ امریکہ ان لوگوں کے اُکسانے پر پھنس چکا ہے۔اب اس کا حل صرف اور صرف طالبان کے پاس ہی ہے اور کسی کے پاس نہیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ جب ہم طالبان کو اس مسئلے کا حل قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب ان کی حمایت نہیں اور جب ہم امریکہ پر تنقید کرتے ہیں تو اس سے بھی مراد امریکہ کی اللہ واسطے کی مخالفت نہیں، اور نہ ہی یہ دین اسلام کا ایسا بڑا مسئلہ ہے کہ اس کو بنیاد بنا کر آپس میں لڑا بھڑا جائے، بلکہ ان باتوں سے مراد ہمارے اپنے ملک کا مفاد ہوتا ہے، جس میں ہم رہ رہے ہیں، جس کی آزادی کے لئے اس کی بنیادوں میں ہمارے بزرگوں کا خون اور ہڈیاں کام آئی ہیں۔جس میں ہم اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لئے دن رات پُر امن طریقہ سے کوشاں ہیں، جس کی تہذیب کی بقا کی ہم جنگ لڑ رہے

ہیں۔ ہمارے ملک کے خلاف جو بھی منصوبہ بندی کریگا ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ طالبان کے نظام کا تعلق افغانستان سے ہے ہمارے ملک سے نہیں، وہ اپنے ملک میں جیسا بھی نظام نافذ کریں اس میں مداخلت ہمارا حق نہیں، ہمیں تو ان سے صرف اس لئے ہمدردی ہے کہ ان کی وجہ سے ہمارے ملک کی سرحدیں محفوظ تھیں، ہمارا دفاعی بجٹ ان کے وجہ سے کم تھا، ہم آنکھ بند کر کے ان پر اعتماد کرتے تھے، ہمارے ملک میں امن تھا، ہمارے ملک میں خودکُش حملے نہیں ہوتے تھے۔ مگر جب سے امریکہ بہادر کا اس خطے میں آنا ہوا ہے اس وقت سے ہماری افغان سرحد غیر محفوظ ہو چکی ہے، افغانستان پاکستان دشمن ملکوں کی آماجگاہ بن چکا ہے، ہم نے کبھی افغان سرحد پر فوج نہیں لگائی تھی اب ایک لاکھ سے زائد فوجی افغان سرحد پر متعین کیے جا چکے ہیں، پھر بھی ہماری سرحدیں محفوظ نہیں، روزانہ وہاں سے حملے ہوتے ہیں۔ ہمارا دفاعی نظام بے لگام ہو چکا ہے، ہمارے ملک میں امن غارت ہو چکا ہے، بم دھماکے خودکش حملے عام ہو چکے ہیں، ڈرون حملوں کی تو کوئی انتہا نہیں۔ یہاں تک کہ ہماری حفاظت کی ضمانت دینے والا امریکہ بہادر خود ہی ہماری چیک پوسٹوں پر حملے کر کے ہمارے فوجیوں کو شہید کر رہا ہے۔ جس پر ہماری پوری قوم متحد ہو کر میدان میں آ گئی۔

نتیجہ کے طور پر اب پاکستان اور امریکہ میں دوریاں ہو رہی ہیں۔ یہ دوری بھی ان این۔جی اوز، وطن فروش، مذہب بیزار، خود بینوں اور خود فروشوں کو برداشت نہیں اس لئے کہ انہیں ڈر ہے کہیں ان کی امداد بند نہ ہو جائے۔ اب یہ لوگ پھر پاکستان اور امریکہ میں صلح کرانا چاہتے ہیں تاکہ ان کا کام چلتا رہے۔

یہ طبقہ ہر مقام پر موجود ہے ،اس ملک کی ہر کی پوسٹ پر، سول سوسائیٹی کے نام پر ہر معاشرے کے ہر عضو پر، این جی اوز بنا کر دُکھیاری قوم کو لوٹنے پر۔ یہی وہ طبقہ ہے جس نے کبھی بھی کسی بھی صورت میں قوم اور ملک کو لوٹنے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی ان لوگوں کی نیتیں نہیں بھریں ،ان کی ہوسِ زمین و زَرّ اور زیادہ بھڑک اُٹھی۔ سب سے پہلے انہوں نے متروکہ جائیدادوں پر قبضے کیے، ان کے جعلی کلیموں پر الاٹمنٹیں کروائیں، رشوتیں دے کر اپنی نااہل اولادیں کو ملک کے اعلیٰ عہدوں پر براجمان کیا، عدلیہ، انتظامیہ، پولیس، فوج، سول سروس اور سیاست پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ ان سب کا مقصد وحید صرف اور صرف حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ ہی ہے۔ ان لوگوں نے نہ کسی غریب کی سُنی اور نہ کسی ضرورت مند کے کام آئے۔ ملک بنے ہوئے کو چونسٹھ برس ہو چکے ہیں مگر ابھی تک حق دار لوگوں کو ان کی رہائش کے لئے ان کے نام پر الاٹمنٹ نہیں ہوئی، لوگ عدالتوں، دفترں

، کچہریوں میں دھکے کھاتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے ،اب انکی اولادیں وراثت میں ملی ہوئی ان پریشانیوں کو بھگت رہے ہیں۔ جب اس ملک میں آفات سماوی زلزلہ یا سیلاب کی شکل میں نازل ہوئیں تو ان کے وارے نیارے ہوگئے۔انہوں نے قوم ملک اور بیرون ملک سے آئی ہوئی امداد کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔انہوں نے ملک کے لئے کئے گئے دفاعی،رفاعی،تجارتی غیر ملکی سودوں میں سے اپنا کمیشن کھرا کیا۔

انہوں نے باقاعدہ منصوبے کے تحت امریکہ کو اس جنگ میں پھنسائے رکھا،جب بھی کبھی امریکہ نے اس جنگ سے نکلنے کی کوشش کی تو فوراً واویلا مچادیا۔امریکہ ایک طرف سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لئے دوسرا محاذ کھڑا کر دیتے اور امریکہ بلا سوچے اور بلا سمجھے اس میں کود جاتا ہے۔جب امریکہ کی طرف سے امداد کی کوئی بات ہوتی ہے تو یہ لوگ مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں کہ یہ امداد شفاف طریقہ سے خرچ نہیں ہوگی،یہ صرف این، جی، اوز کے ذریعہ خرچ کی جائے۔تاکہ ان کا کمیشن انہیں ملتا رہے۔انہوں امریکہ کو افغانستان میں لاکر مختلف مقام پر اُلجھائے رکھا،پاکستان میں اس کو اڈے دلوائے،اس کو زمینی راستے فراہم کئے،اس کی انہوں نے کمیشن وصول کی،کیونکہ افغانستان میں امریکہ کے لئے کافی مشکلات تھیں۔حالانکہ کئی مقامات پر برطانیہ اور امریکہ نقل حمل کے لئے اب بھی باقاعدہ طالبان کو راہداری دیتے ہیں،کابل سے باہر امریکیوں کا کوئی کنٹرول نہیں،اسی لئے ان کو طالبان سے جگہ جگہ معاہدے کرنے پڑتے ہیں۔امریکہ آج انہی لوگوں کی وجہ سے دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔اس کے بنک بند ہورہے ہیں،ان کے ہوائی کمپنیاں دیوالیہ ہو چکی ہیں، پراپرٹی مارکیٹ جو کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی تھی وہ بیٹھ چکی ہے۔

لاجسٹک سپورٹ کے لئے آنے والے کنٹینروں راہداری سے ملنے والی آمدنی میں سے ان لوگوں نے نہ صرف کمیشن وصول کیا بلکہ ان میں سے کئی ہزار کنٹینر غائب کر دیئے۔جو کہ غیر ملکی قیمتی شرابوں اور خطرناک اسلحہ سے لبالب تھے،اس شراب کو اپنی خرمستی کے ساتھ ساتھ بازار میں بیچ کر رقم کمائی۔اور اسلحہ سے ان غیر ملکی دہشت گروں کی مدد کی جو کہ اس ملک کو غیر مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔کیونکہ ملک کا استحکام ان لوگوں کو راس نہیں آتا،اس لئے کہ اس ملک سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ان کی اولادیں، جائیدادیں اور وفاداریاں ملک سے باہر ہیں۔جس طرح یہاں کے بزنس مین اپنی تجارت کے فروغ کے لئے اپنے دفاتر باہر کے ملکوں میں کھولتے ہیں بالکل اسی طرح ان لوگوں نے اپنے غیر ملک میں رہنے والی اولادوں اپنی جائیدادو،اور غیر ملکی وفاداریوں کے لئے پاکستان میں اپنے دفاتر

کھولے ہوئے ہیں۔ان لوگوں نے جعلی طالبان بنائے ،ان کو اسلحہ دیا،ان کو ڈالر دیئے،ان کو اپنے ملک پر حملوں کے لئے اُکسایا،ان کے ذریعہ مذہبی راہنماؤں کو شہید کروایا، پھر مشہور کر دیا کہ طالبان پاکستان کے دشمن ہیں۔ پھر انہی جعلی طالبان کے امریکہ سے مذاکرات کرائے اور ڈالر وصول کئے۔ یہ بات ابھی پرانی نہیں ہوئی کہ ایک شخص امریکی حکام سے طالبان کا لیڈر بن کر امن مذاکرات کرتا رہا ،اوراس سلسلہ میں امریکیوں سے کئی ملین ڈالراس نے وصول کئے پھر وہ اچانک غائب ہو گیا، پتہ چلا کہ وہ جعلی تھا، یہ بات امریکی میڈیا نے ہی بتائی۔سوال یہ ہے کہ اس جعلی کو اصلی بنا کر امریکیوں سے کس نے ملوایا۔سیدھی سی بات ہے جن کو ڈالروں کی طلب تھی وہی ملوانے والے تھے۔

ان لوگوں نے امریکیوں کا کہاں کہاں اور کس کس جگہ نہیں پھنسایا۔ یہ ایک طویل داستان ہے اس کے متعلق بھی کسی اور مجلس میں بات ہوگی۔ چند تازہ واقعات مثالاً عرض خدمت ہیں۔

افغانستان میں امریکہ کو ناکام ہوتے دیکھ کر انہوں نے اس جنگ کو پاکستان منتقل کروادیا۔اور مشہور کر دیا کہ جو کچھ بھی افغانستان میں امریکہ کی مزاحمت ہو رہی ہے اس کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ ہے۔ان لوگو نے آئی، ایس، آئی اور فوج کو متنازع اور دوغلا بنا کر پیش کیا۔ پاکستان میں مذہبی اداروں کو دہشت گردوں کی پناہ گاہیں ثابت کرنے کی کوشش کی جس میں کافی حد تک یہ لوگ کامیاب رہے۔امریکی ڈرون حملوں کے لئے راہ ہموار کی۔اُسامہ بن لادن کا ڈرامہ رچایا، ٹی، وی میڈیا پر چیخ چیخ کر یہ لوگ اُسامہ بن لادن کے وجود کو یہاں ثابت کرتے رہے، جبکہ حقیقت یہی ہے کہ وہ کب کا اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔اور کچھ ہاتھ نہ آیا تو یہ شوشہ چھوڑا کہ ملاں جلال الدین حقانی پاکستان میں بیٹھ کر افغانستان میں کارروائیاں کروا رہا ہے۔اور امریکہ کا جتنا بھی نقصان ہو رہا ہے وہ سب حقانی نیٹ ورک کا کیا دھرا ہے، چنانچہ امریکہ بلا سوچے سمجھے ان کے پیچھے ہو لیا۔ پھر اکتوبر میں انہوں نے میموں گیٹ کا سیکنڈل کا شوشہ چھوڑا ، جس کی وجہ سے ہمارے ملک کی بنیادیں ہل گئیں، یہ شوشہ ایک قادیانی کے ذریعہ چھوڑا گیا، جبکہ قادیانی ہمارے ملک کے خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتے ،اب چونکہ یہ معاملہ عدالت میں ہے اس لئے ہم اس پر تبصرہ نہیں کرتے۔ پھر انہی کے اُکسانے پر امریکہ نے پاک افغان بارڈر پر کارروائی کر ڈالی۔

ہوا یہ کہ جب سے پاک افغان سرحد ''سلالہ چیک پوسٹ'' پر امریکی سربراہی میں نیٹو کے جہازوں نے پاکستانی فوجیوں پر بمباری کی، جس میں ۲۴/ پاکستانی فوجی شہید کر دیئے گئے اور اس کے جواب میں پاکستانی قوم نے یکجہتی کا مظاہرہ اس طور پر کیا کہ حکومت اور فوج نے عوام کے اس دیرینہ مطالبے کو پورا کیا کہ امریکہ کے لئے افغانستان کے لئے تمام زمینی راستے بند کر دیئے جن کے ذریعہ

افغانستان میں نیٹو فوجوں کے لئے اسلحہ اور خوراک پہنچائی جاتی تھی، اور ساتھ ہی شمسی ائرپورٹ بھی خالی کرالیا گیا جہاں سے ڈرون طیارے حملے کیا کرتے تھے، اس وقت سے امریکہ سکتے کے عالم میں ہے اور اس کا پاکستان کے ساتھ وہ جارہانہ طرز عمل جو کہ اس سے پہلے تھا نہ رہا۔

پہلے امریکہ بات بات پر پاکستان کو ڈانٹتا تھا، اپنی مرضی کے کام پاکستانیوں کے بازو مروڑ کر لیتا تھا۔ مگر اب امریکہ دھیمے انداز میں اپنی بات کر رہا ہے۔ اس کی ناکامیاں اب سامنے آ رہی ہیں۔ اب تک اُسے جتنی بھی کامیابیاں ملی تھیں وہ صرف اور صرف پاکستانی کی مرہون منت تھیں۔ مگر اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر وہ شکست کی راہ پر نکل چکا ہے۔ خفت کو چھپانے کے لئے اس نے ایک بے معنی سی تحقیقات دنیا کے سامنے نشر کی ہیں جس کو سب نے ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

اب ان لوگوں کی کوشش ہو رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے نیٹو کی سپلائی بحال ہو جائے۔ یہ لوگ ٹی وی میڈیا اور اخبارات میں شور مچا رہے ہیں کہ سپلائی روکنے سے ہمارا بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ ہم امریکہ سے نہیں لڑ سکتے۔ سوال یہ ہے کہ امریکہ سے کون لڑنے جا رہا ہے یا کون اُکسا رہا ہے۔ کسی بھی جماعت یا ادارے نے امریکہ سے لڑنے کے لئے نہیں کہا۔ ان لوگوں کا تو صرف یہ مطالبہ ہے کہ امریکہ ہمارے ملک میں کارروائیاں بند کر دے ورنہ جوابی کارروائی کی جائے۔

آجکل خبارات میں یہ خبریں آ رہی ہیں کہ ہم لوگ امریکہ سے اس راہداری کا کوئی کرایہ وصول نہیں کر رہے، ہمارے ملک کی سڑکیں ان کے بھاری بھرکم کنٹینروں اور ٹینکروں سے ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں، جن کی مرمت کے لئے امریکہ کی طرف سے کوئی امداد تک نہیں دی جا رہی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ امریکہ بغیر کسی اجرت کے اپنا کام کروائے۔ امریکہ سے لاکھ اختلاف سہی مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اپنے کام کرنے والوں کو معاوضہ ضرور دیتا ہے۔ اگر وہ معاوضہ نہ دیتا ہو تو یہ مفاد پرست کس لئے امریکہ کی ہاں میں ہاں ملاتے چلے جا رہے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ ان ساری سہولتوں "جو کہ امریکہ کو اس ملک میں دی جا رہی ہیں" کا منافع انہی لوگوں کو جا رہا ہے۔ یہ منافع کیش کے ساتھ ساتھ شراب اور اسلحہ سے لدے کنٹینروں اور پٹرول سے سے بھرے ہوئے ٹینکروں کے غائب ہونے کی شکل میں بھی ان لوگوں کا ادا کیا جا رہا ہے۔

اب جبکہ امریکی نائب صدر جو بائیڈن نے یہ بیان دیدیا ہے کہ طالبان امریکہ کے دشمن نہیں، ان سے معاہدے کے لئے تیار ہیں، صدر اُباما نے طالبان کو امریکی سیکورٹی کے لئے کبھی خطرہ قرار نہیں دیا، صدر اُباما نے طالبان کو امریکہ کا دشمن کبھی قرار نہیں دیا۔

اگر تو واقعی امریکہ اس بیان پر سنجیدہ ہے تو اس بیان سے ان لوگوں کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں، لگتا ہے کہ اب ان کی روزی روٹی یا حقہ پانی بند ہونے والا ہے

اس لئے ان کے لئے پیشگی تعزیت۔

مکاتیب رئیس الاحرارؒ سے

رئیس الاحرارؒ بنام ڈاکٹر، علامہ، سر محمد اقبال

۱۹۳۱ء میں بانیٔ احرار، صدر احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ تحریک کشمیر کے سلسلہ میں اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لئے گئے، ان کو ملتان سینٹر جیل بھیج دیا گیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۳۳ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ رہا ہوئے اور چند ہی مہینوں کے بعد احرار، جمعیۃ علماء اور کانگریس کے تمام لیڈر بھی رہا ہوگئے۔ انہی دنوں کیمونل ایوارڈ کا اعلان کیا گیا جس سے سیاسی لوگوں کو اختلاف تھا، گاندھی جی نے اس کے خلاف بھوہڑتال کا اعلان کر دیا، چنانچہ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال نے پونا پیکٹ کی صورت میں انگریزی وزیر اعظم کو اپنے فیصلے میں ترمیم کے ساتھ آئینی مراعات اور حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہندوستان کی اس آئینی اور دستوری زندگی کے آنے والے دور میں جماعتی اور قومی مفاد کی کشمکش اپنے پورے عروج پر آ گئی۔ اس وقت مسلم لیگ کا پُرسان حال کوئی نہ تھا۔ ''مسٹر جناح جو کہ بعد میں بانیٔ پاکستان اور قائد اعظم بنے'' ان دنوں ایک طویل عرصہ سے انگلستان میں مقیم تھے، وہ ۱۹۳۴ء میں ہندوستان واپس آئے۔ اس دوران ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال ہی مسلم لیگ کے کرتا دھرتا تھے۔ انہی دنوں ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور پنڈت جواہر لال نہرو میں بیان بازی ہونے لگی۔ اس سلسلہ میں رئیس الاحرارؒ نے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم اور جواہر لال نہرو کو خطوط لکھے۔ یہ خط ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام ہے۔ رئیس الاحرارؒ اس خط سے آجکل کے حالات کو بھی پرکھا جا سکتا ہے۔

از: شفاعت منزل حبیب روڈ، لدھیانہ

محترم جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے۔ پنڈت جواہر لال نہرو مسٹر سی، آر، داس آنجہانی کے بعد ہندو رہنماؤں میں دوسرے آدمی ہیں جنہوں نے ہندو فرقہ پرست جماعتوں کے خلاف پوری جرأت کے ساتھ آواز بلند کی ہے۔

تمام ہندو فرقہ پرست پریس اور جماعتوں نے پنڈت جی کے اس بیان کی مذمت کی اور ان سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ انہوں نے مسلمان فرقہ پرستوں کے خلاف کیوں خاموشی اختیار کی۔ پنڈت جی نے کچھ دنوں کی خاموشی کے بعد ایک مفصل بیان اخبارات کو دیا ہے جس میں فرقہ پرستوں کی مذمت کی ہے۔

پنڈت جی کے اس بیان کے جواب میں آپ نے ایک بیان جاری کیا ہے، جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ''اگر کانگریس ہمارے مطالبات تسلیم کر لے تو ہم کانگریس کی فوج میں بھرتی ہو جائیں گے''۔ مجھے آپ کے اس کمزور قسم کے بیان کو پڑھ کر بڑا دکھ ہوا ہے، کیونکہ کمزور جماعت کے مطالبات نہ کبھی منظور ہوئے ہیں نہ کبھی ہوں گے۔

اگر کبھی مصلحتِ وقت کے لحاظ سے منظور کر بھی لئے جائیں تو وہ منظوری نا قابل اعتماد ہوگی۔ کیونکہ جب وہ مصلحت نکل جائے گی تو طاقتور جماعت کاغذی معاہدوں کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دے گی۔ حکومت مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ہمیشہ کچلتی رہی ہے اور کچلتی رہے گی۔ ہندوؤں کے پاس پہلے ہی کیا ہے کہ آپ ان سے کسی حق کی منظوری کا مطالبہ کا کریں۔ کیا وطن کی آزادی کا حصول ہندو کے مفاد کے لئے ہے؟ کیا ہم کانگریس کی فوج میں اس لئے بھرتی ہونے کو تیار ہیں کہ وہ ہمارے مطالبات منظور کرے گی؟

ڈاکٹر صاحب! کمزور سرکار پرست مسلمانوں نے ہمیشہ کانگریس اور انگریز دونوں سے مطالبات کی منظوری کی کوشش کی اور وہ دونوں میں ناکام رہے، ان تجربات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ میرے نزدیک تمام بیماریوں کا علاج صرف ایک ہے کہ مسلمان انگریز اور ہندو دونوں کی طرف سے آنکھ بند کر کے وطن کی آزادی کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔

بعض سرکار پرست مسلمان یہ کہتے ہیں کہ وطن کی آزادی کا فائدہ اکثریت کو پہنچے گا۔ یہ ایک بزدلانہ تصور ہے۔ وطن اس کا ہے جو اسے آزاد کرائے، وطن نہ ہندو کا ہے نہ مسلمان کا۔ پنجاب کے مسئلہ کا حل کانفرنسوں کے ذریعے نہیں ہو سکتا، کیونکہ پنجابی ہندو

خواہ کانگریسی ہو یا مہاسبھائی، وہ کاشتکاروں کے لئے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتا۔ پنجاب میں کانگریس کی ناکامی کا اصل راز یہی ہے، کانگریس کے ہندو لیڈر شہری ہیں، دیہاتوں میں اکثریت کاشتکاروں اور کسان مسلمانوں کی ہے۔

وہ یہ جانتے ہیں کہ دیہاتی مسلمان کسان کی سیاسی بیداری پنجاب کے ہندو سودخور ساہوکار کے مفاد کے خلاف ہے۔ پنجاب گورنمنٹ چھ کروڑ روپیہ دیہاتیوں سے آبیانہ اور لگان وصول کرتی ہے ۔لیکن پنجاب کا ہندو ساہوکار ڈیڑھ ارب روپیہ کے قرضے پر دیہاتی کسان سے سولہ کروڑ روپے سالانہ سود وصول کرتا ہے۔ اس قرضہ اور سود سے نجات حاصل کرنے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو اپنے سوشلزم کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔

مگر پنجاب میں جس دن سوشلزم کا نام لیا جائے گا اسی دن پنجاب کے ہندو سیاستدان سوشلزم کو بھی ہندو مسلم سوال بنا دیں گے۔ احرار نے تحریک کشمیر میں ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ کیا، مگر پنجاب کے ہندو سیاستدانوں نے اس کی مخالفت کی۔

آج پنڈت جواہر لال نہرو ریاستوں کے وجود کو ہندوستان کی غلامی کا باعث قرار دے رہے ہیں اور ہر ریاست میں ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

میں نے پنڈت جی کو بھی لکھا ہے کہ آپ نے ڈاکٹر اقبال کے جواب میں سمجھوتے کا جو طریقہ بیان کیا ہے وہ ناقابل عمل ہے، ان کو چاہئے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں سے ایک کا انتخاب کریں۔ آزاد خیال مسلمان اور دوسرے سرکار پرست مسلمانوں میں سے کسی ایک سے سمجھوتہ کی بات کریں۔

گاندھی جی اور کانگریس کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ وہ قربانی اور کام تو آزاد خیال مسلمانوں سے لیتے ہیں اور سمجھوتہ ماڈریٹ مسلمانوں اور انگریز پرست مسلمانوں سے کرتے ہیں ۔نتیجہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو انگریز مسلمانوں کا نمائندہ کہتا ہے کانگریس بھی انہیں مسلمانوں کا نمائندہ کہہ کر سمجھوتہ کی بات چیت سے ان کی پوزیشن مضبوط کر دیتی ہے۔

میں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو یہ بھی لکھا ہے کہ آپ پنجاب میں آئیں اور اپنا سوشلزم پھیلا کر دیکھیں تا کہ آپ کو خود معلوم ہو جائے کہ پنجاب میں فرقہ پرست ہندو ہے یا مسلمان۔

ڈاکٹر صاحب! اگر آپ کانگریس کی شکنجے سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میری رائے میں پنجاب میں ہندو ساہوکاروں کے سود سے صرف مسلمان کسانوں اور کاشتکاروں کی جان چھڑانے میں ان کی مدد فرمائیں گے اور کامیاب ہو جائیں گے تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد آپ لوگ خود مختار ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب! میں پیدائشی کانگریسی ہوں، جس وقت سر سید احمد خان نے کانگریس میں مسلمانوں کے شامل ہونے کو ناجائز قرار دیا تھا تو اس وقت صرف اور صرف میرے ہی خاندان کے بزرگوں نے مسلمانوں کے کانگریس میں شامل ہونے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔

اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ کانگریس میں ہندوؤں کی اکثریت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی شناخت قائم رکھنے کے لئے مشکل پیش آ رہی ہے۔ اسی لئے ہم نے مسلمانوں کی حیثیت کو اُجاگر کرنے کے لئے مجلس احرار اسلام بنائی تا کہ مسلمانوں کی شناخت بھی قائم رہے اور مسلمان کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی کی جنگ بھی لڑتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کانگریس سے گڑ گڑ کر مطالبات نہیں کئے بلکہ برابری کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔

باہر حال میں نے آپ کو یہ خط اس لئے لکھا ہے کہ آپ کی طرف سے کانگریس سے جس انداز میں مطالبہ کیا گیا ہے اس کو میں مسلمانوں کی عزت نفس کے خلاف سمجھتا ہوں۔

والسلام،

حبیب الرحمٰن لدھیانوی، صدر مجلس احرار اسلام، ہند

مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کی طرف سے ''ریویو'' کی مفت تقسیم

گذشتہ دوشماروں میں ہم نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' پر مولانا محمد حسین بٹالوی کی طرف سے لکھے گئے تبصرے کی تلخیص پیش کی تھی۔ یہ تبصرہ یا تقریظ 142 صفحات پر مشتمل ہے مگر ہم نے اختصار کر کے صرف انہی مقامات کو شائع کیا جو کہ علماء لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کے جواب میں تھے۔اس پورے تبصرے کو کتاب ''سب سے پہلا فتوائے تکفیر'' کے دوسرے ایڈیشن میں اصل سے عکس لے کر شائع کیا جارہا ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی نے صرف ''براہین احمدیہ'' پر مؤثر انداز میں ریویو ہی نہیں لکھا بلکہ اس ریویو کو مرزا غلام احمد قادیانی کے پروگرام کے مطابق لوگوں میں مفت تقسیم کرنے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔مولانا محمد حسین بٹالوی کا جب مرزا غلام احمد قادیانی سے اختلاف ہوگیا تو پھر مولانا بٹالوی نے اس راز کو تشت از بام کیا۔

چنانچہ مولانا بٹالوی اس راز کو یوں افشا کر رہے ہیں:

> اور ہم کو خوب یاد ہے کہ جب یہ ریویو شائع ہوا ہے تو انہوں (مرزا قادیانی) نے اپنے ایک لاہوری دلاّل (یا ایجنٹ) الٰہی بخش اکونٹنٹ کی معرفت ہمارے پاس پچاس روپیہ بھجوا کر یہ لکھا تھا کہ اس پچاس روپیہ کی عوض میں ''اشاعۃ السنۃ'' کے وہ نمبر جن میں ریویو درج ہے۔لوگوں کو مفت تقسیم کئے جاویں۔اور ہم نے اس روپیہ کی عوض میں لودہانہ میں معرفت آپ کے سابق حواری میر عباس علی صوفی کے (جو آخر آپ کی مکاری دیکھ کر آپ سے منحرف ہوگئے اور تائب ہو کر اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں) اور دیگر مقامات میں وہ رسائل مفت تقسیم کئے۔(اشاعۃ السنہ نمبر ۷ جلد ۱۸ ص ۲۰۶، ۲۰۷)

مولانا بٹالوی براہین احمدیہ پر ریویو لکھنے، شائع کرنے اور اس کو مفت تقسیم کرنے کے بعد آرام سے نہیں بیٹھے بلکہ مسلسل مرزا قادیانی کی تشہیر و خدمت میں لگے رہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جب براہین احمدیہ نامی کتاب مرتب کرنا شروع کی تو اس میں مولانا محمد حسین بٹالوی کی علمی موشگافیاں بھی شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کتاب منظر عام پر آئی تو اس پر جو اعتراضات وارد ہوئے ان سب کا جواب مولانا محمد حسین بٹالوی ہی نے دیا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ان دعووں میں سے کسی کی نفی نہیں کی جن کی وجہ سے علماء لدھیانہ نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اصولی طور پر چاہیے یہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی بذات خود ان کا جواب دیتا۔ مگر اس کی بجائے مولانا بٹالوی میدان میں کود پڑے۔

مولانا بٹالوی کے اسی اخلاص، محبت، فریفتگی کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:

> اس (بٹالوی صاحب) نے ایک کام تو کیا ہے براہین پر ریویو لکھا ہے اور وہ واقعی اخلاص سے لکھا تھا۔ کیونکہ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ بعض اوقات میرے جوتے اٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھ دیا کرتا تھا اور ایک بار مجھے اپنے مکان میں اس غرض سے لے گیا کہ وہ مبارک ہو جائے اور ایک بار اصرار کر کے مجھے وضوء کرایا۔ غرض بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ میں قادیان میں ہی آ کر رہوں۔ مگر میں نے اس وقت یہی کہا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اس کے بعد اسے یہ ابتلاء پیش آ گیا، کیا تعجب ہے کہ اس اخلاص کے بدلے میں خدا نے اس کا انجام اچھا رکھا ہو۔ (حاشیہ مجدد اعظم ص ۶۱۷)

ہمارے اس دعوے کہ ''براہین احمدیہ کی تصنیف میں مولانا بٹالوی کا مشورہ بھی شامل تھا'' کی تصدیق قادیانی مؤلف کی کتاب ''تاریخ احمدیت'' کی تحریر بھی کرتی ہے۔ ''براہین احمدیہ'' کے حصہ چہارم کے طبع اوّل کے حوالہ سے لکھتا ہے:

> ماموریت کا وہ منصب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۸۲ء میں عطا ہوا تھا، اس کے متعلق بعض مزید تفصیلات اس سال (یعنی ۱۸۸۳ء) میں آپ پر ظاہر کر دی گئیں، اور آپ کو بتایا گیا کہ آپ محدث اللہ، عیسیٰ دوران اور خدا کے نبی ہیں۔

(تاریخ احمدیت ص۳۴ ج۲)

آگے لکھتا ہے کہ:

عجیب بات یہ ہے کہ جیسا کہ یہودی تاریخ کے مطابق حضرت مسیح ناصری (یعنی عیسی علیہ السلام) اپنے متبوع حضرت موسی علیہ السلام کی ولادت سے ٹھیک ۱۲۷۲ برس بعد پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضرت اقدس (مرزا قادیانی) علیہ السلام کو بھی رسول اللہ ﷺ کے دعوی رسالت سے ٹھیک ۱۲۷۲ برس بعد عیسی کے عہدہ پر سرفراز فرمایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶۱۱ء میں دعوی نبوت فرمایا اور ٹھیک ۱۲۷۲ سال بعد ۱۸۸۳ء میں یہ الہامات نازل ہوئے۔ گویا مسیح موسوی کا جسمانی اور مسیح محمدی کا روحانی ظہور اپنے دائرہ میں ایک ہی سال میں وقوع میں آیا۔ (تاریخ احمدیت ص۳۵ ج۲)

اوراس کے آگے مزید چوبیس سطروں میں مؤلف تاریخ احمدیت نے اس کی وضاحت کی ہے۔

اسی طرح مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۸ کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یوں تو الہامات کا سلسلہ پہلے سے شروع ہو چکا تھا ،لیکن وہ الہام جس میں آپ کو خدا تعالی کی طرف سے اصلاح خلق کے لیے صریح طور پر مامور کیا گیا۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا جبکہ آپ براہین احمدیہ حصہ سوم تصنیف فرما رہے تھے۔ (سیرت المہدی ص۳۹ ج۱)

’’سراج منیر‘‘ کے لیے بٹالوی صاحب کے آنسو

مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک رسالہ ’’سراج منیر‘‘ کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس کے شائع ہونے میں رقم کی قلت مانع تھی، چنانچہ اس کے لئے بھی مولانا بٹالوی ہی میدان میں آئے:

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب آریہ سماج کے خلاف ’’سرمہ چشم آریہ‘‘ کتاب لکھی تو اس نے تبصرے کے لیے اپنے قریبی رفیق ومشیر مولانا محمد حسین بٹالوی کی خدمت میں بھیجی۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ہر کتاب کو شائع کرنے سے پہلے اور بعد اس کی حقانیت پر مولانا بٹالوی ہی سے مہر لگوایا کرتا تھا۔ چنانچہ مولانا بٹالوی نے حسب روایت مرزا قادیانی کی کتاب ’’سرمہ چشم آریہ‘‘ پر اپنی

مہر تصدیق ثبت فرمانے کے ساتھ ساتھ مرزا قادیانی کی آئندہ شائع ہونے والی کتاب ''سراج منیر'' کی اشاعت کے لیے بھرپور اپیل فرمائی، ملاحظہ ہو۔

مولانا بٹالوی ''سرمہ چشم آریہ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ کتاب لاجواب مؤلف ''براہین احمدیہ'' مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی تصنیف ہے۔ جو بغرض تحریر ریویو مصنف عالی ہمت نے ہمارے پاس بھجوائی ہے۔

تبصرے کے بعد لوگوں کو اس کتاب کی خریداری کی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو صاحب ان مباحث سے حظ اٹھانا چاہتے ہیں وہ اصل کتاب بقیمت ۱۲عص ۔ جناب مصنف سے جو قادیان ضلع گورداس پور میں مقیم ہیں طلب فرما کر ملاحظہ فرمائیں۔

اور حمیت وحمایت اسلام تو اس میں ہے۔ کہ ایک ایک مسلمان اس کتاب کے دس، دس، بیس، بیس نسخہ خرید کر ہندو مسلمانوں میں تقسیم کرے۔

مولانا بٹالوی نے اس کتاب کے دو فائدے لکھے ہیں۔ ان میں دوسرا فائدہ ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کی قیمت سے دوسری تصانیف مرزا صاحب (سراج منیر وغیرہ) کے جلد چھپنے اور شائع ہونے کی ایک صورت پیدا ہوگی۔

ہم نے سنا ہے کہ اس وقت تک ''سراج منیر'' کا طبع ہونا عدم موجود زر کے سبب معرض التواء میں ہے اور اس کے مصارف طبع کے لیے آمد قیمت ''سرمہ چشم آریہ'' کا انتظار ہے۔ یہ بات صحیح ہے تو مسلمانوں کی حالت پر کمال افسوس ہے کہ ایک شخص اسلام کی حمایت میں تمام جہان کے اہل مذاہب سے مقابلہ کے لیے وقف اور فدا ہو رہا ہے۔ پھر اہل اسلام کا اس کام کی مالی معاونت میں یہ حال ہے۔ شاید ان خام خیالوں کا یہ خیال ہوگا کہ مرزا صاحب اپنے دس ہزار روپیہ کی جائیداد جس کو انہوں نے مخالفین اسلام کو مقابلہ پر انعام دینے کے لیے رکھا ہوا ہے فروخت کر کے صرف کر لیں تو پیچھے کر وہ مالی مدد دینگے۔ ان کا واقعی یہی خیال ہے تو ان کا حال اور بھی افسوس کے لائق

ہے۔

اس افسوس پر بھی ان کا یہی حال رہا اور انہوں نے بہت جلد ''سرمہ چشم آریہ'' ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر مصارف طبع ''سراج منیر'' کے لیے روپیہ مہیا نہ کر دیا تو ہم کو ان کے حال پر آنسو بہانا پڑے گا۔

اے خدا تعالیٰ تو ایسا نہ کر مسلمانوں کو دل ہمت وسماحت ہمدردی عطاء فرما۔آمین ثم آمین۔(اشاعۃ السنۃ۔ج ۹۔ش ۶۔ص ۱۵۷۔۱۵۸)

بالآخر مولانا بٹالوی کی دعائیں، اپیلیں، آہیں اور آنسو رنگ لے ہی آئے۔اور ''سراج منیر'' کے نام سے کتاب چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔مگر کب؟ مولانا بٹالوی کی اپیل وخواہش کے تقریباً گیارہ سال کے بعد۔مولانا بٹالوی نے اس کی اشاعت کے لیے اپیل وخواہش اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کی جلد نمبر ۹۔۱۸۸۶ء میں کی تھی (یعنی علماء لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کے دو سال بعد) جبکہ مرزا قادیانی نے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں شائع کی۔

مرزا غلام احمد قادیانی بڑا شاطر تھا۔وہ اپنی ہر تحریر و کتاب کی سب سے پہلے مولانا بٹالوی سے تصدیق کروالیتا تھا۔اور مولانا بٹالوی کو مرزا قادیانی کی ذات پر ایمان کی حد تک یقین تھا۔اسی لیے مولانا بٹالوی بغیر کسی تحقیق وجستجو کے اس کی ہر کتاب کے حق میں زوردار قصیدہ لکھ دیتے۔اس کو لیکر مرزا قادیانی عوام الناس میں مشہور کر دیتا۔

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ جب مولانا بٹالوی نے مرزا قادیانی کی کتاب ''سراج منیر'' پر ۱۸۸۶ء میں تصدیقی مضمون لکھ کر اس کی اشاعت کے لیے اپیل کی تو اس وقت مرزا قادیانی مولانا بٹالوی سمیت تمام غیر مقلّدین کے نزدیک ایک قابل فخر مسلمان تھا۔جبکہ علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی پر ۱۸۸۴ء میں ہی کفر کا فتویٰ دیدیا تھا۔ لازمی بات ہے کہ مولانا بٹالوی نے اس وقت اس کتاب کو بغور پڑھا ہوگا۔اور اس کے اندر جو کچھ بھی تھا اس سے مولانا بٹالوی کو سو فیصد اتفاق تھا۔تو اگر یہ کتاب اسی زمانے میں شائع ہو جاتی تو مولانا بٹالوی کو اس کتاب میں موجود مواد سے کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

یہ تمام تحریریں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جو عزائم تھے وہ مولانا بٹالوی کے سامنے عیاں تھے، اس کے باوجود مولانا بٹالوی نے علماء لدھیانہ کے فتوائے کفر کے جواب

میں مرزا قادیانی کا دفاع فرمایا۔

مولانا بٹالوی صاحب کو مرزا قادیانی کی بیماری اور نکاح ٹوٹنے کی فکر

صرف یہی نہیں مولانا بٹالوی نے علماء لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کے کچھ عرصہ بعد مرزا غلام احمد قادیانی کا نہ صرف دوسرا نکاح مسلک اہل حدیث کی لڑکی سے کروایا (جس کی تفصیل گذشتہ شماروں میں شائع کی جاچکی ہے) بلکہ اس نکاح کو برقرار رکھنے کے لئے بھی متفکر رہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی نئی نویلی بیگم کے درمیان عمر کا چونکہ بہت بڑا فرق تھا اس لیے یہ شادی بے جوڑ ہوتی ہوئی نظر آئی جس کی وجہ مرزا صاحب یہ لکھتے ہیں:

ایک ابتلاء مجھ کو اس شادی کے وقت یہ پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور دردسر مع دوران سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں۔ جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا۔ اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی اس لیے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے افسوس کیا اور ایک خط جس کو میں نے اپنی جماعت کے بہت سے معزز لوگوں کو دکھلایا ہے جیسے اخویم مولوی نور الدین صاحب اور اخویم مولوی برہان الدین صاحب وغیرہ۔ مولوی محمد حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنہ نے ہمدردی کی راہ سے میرے پاس بھیجا کہ آپ نے شادی کی ہے اور مجھے حکیم محمد شریف کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بہ باعث سخت کمزوری کے اس لائق نہ تھے۔ اگر یہ امر آپ کی روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے تو میں اعتراض نہیں کرسکتا کیونکہ میں اولیاء اللہ کے خوارق اور روحانی قوتوں کا منکر نہیں۔ ورنہ ایک بڑی فکر کی بات ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی ابتلاء پیش آجاوے۔ (تریاق القلوب ص ۷۵٬۷۶)

یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مولانا بٹالوی مرزا قادیانی کی روحانی قوت پر بھی بھرپور طریقہ سے ایمان کی طرح یقین رکھتے تھے۔

معزز دوست اور مکرّم برادر کے لئے مولانا بٹالوی کے مشورے

مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کی الہامی کتاب ''براہین احمدیہ'' پر صرف

ریویو ہی نہیں لکھا بلکہ اس کے بعد اُس کے دعاوی کوسچا اور سُچا ثابت کرنے کے لئے مختلف اوقات میں مفید مشورے بھی دیئے۔ اگر کبھی مرزا غلام احمد قادیانی سے چُوک بھی ہوگئی تو فوراً اس کی اصلاح کے لئے آگے بڑھے اور اس کو نقصان سے بچانے کی حتی المقدور کوشش بھی فرمائی۔ اپنے رسالہ ماہنامہ اشاعة السنة کو اس کام کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ مثلاً ''مؤلف براہین کے مبازرانہ دعوے'' کے عنوان سے مولانا بٹالوی کا یہ مشورہ ملاحظہ ہو:

مؤلف ''براہین احمدیہ'' نے دین اسلام کی تائید جیسے کہ علمی طور پر کی اور اس باب میں کتاب براہین احمدیہ تالیف فرمائی ویسی ہی علمی طور پر اس کی تائید کرنی چاہیے، اور قرآن کی صداقت اور آنخضرت کی نبوت پر آسمانی نشانوں کی شہادت بہم پہنچا سکنے کی لوگوں کو اطلاع دی اور اس باب میں مبازرانہ دعاوی سے دنیا میں دھوم مچادی۔

تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ انہوں نے ایک خط اور دو انگریزی میں چھپوا کر شائع کیا ،جس کا مضمون یہ تھا کہ جس شخص کو قرآن کی صداقت اور آنخضرت صلعم کی نبوت پر آسمانی نشانوں کی شہادت مطلوب ہو، وہ ہمارے پاس آ کر ایک سال تک قیام کرے۔ اس اثنا میں خدا تعالیٰ اس کو آسمانی نشان مشاہدہ کرادیگا۔ اور اگر بالفرض کوئی نشان آسمانی اس کے مشاہدے میں نہ آیا تو اس کو دوسو روپیہ ماہوار کے حساب سے چوبیس سو روپیہ حرجانہ خرچ خوراک وسکونت سے علاوہ دیا جاویگا۔

اس خط کی ہندو انگلینڈ وغیرہ بلاد میں خوب اشاعت ہوئی۔ ملکی اخباروں کے ایڈیٹروں کے پاس بھی اس کی ایک ایک کاپی بھیجی گئی۔ ہر مذہب وملت مخالف اسلام کے اکابر ومقتداؤں کے نام رجسٹریاں بھجوائی گئیں ،جن کی رسیدیں بھی آ گئیں جو مؤلف براہین احمدیہ کے پاس موجود ہیں۔

مگر افسوس آج تک ان کی شرائط وخط کی کسی فرقہ کے مقتدا نے اجابت نہیں کی ،اور کسی سے دین حق کی طلب وتحقیق یا مؤلف براہین احمدیہ کے امتحان کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی۔ اکثر اشخاص نے تو اس خط کے جواب میں سکوت محض اختیار کیا اور جس نے کچھ جواب دیا اس نے اصل مطلب جواب سے چشم پوشی کر کے کچھ اور ہی لکھ دیا۔ جس کی

تفصیل شاید مؤلف براہین احمدیہ حصہ پنجم کتاب میں کریں گے۔

خاص کر مسکن مؤلف (قادیان ضلع گورداسپورہ) کے ساکنین ہنود نے کسی قدر شرائط مؤلف کو مانا اور اس باب میں ایک معاہدہ لکھ دیا تھا، جو متعدد اخباروں (وزیر ہند وغیرہ) میں مشتہر ہو چکا ہے، مگر آخری معاہدہ بھی قائم نہ رہا۔ بعض ممبران آریہ سماج نے اس معاہدہ کو فسخ کرا دیا۔ اب ان کے خط و اشتہار کے جواب سے ہر طرف سکوت ہے ،جس سے جانبین کے لوگ مختلف نتائج نکال رہے ہیں۔

ہم اس مقام میں اس خط اور اس کے دعاوی کی نسبت کوئی رائے قائم کرنا نہیں چاہتے اور نہ فریق مقابل کے سکوت سے کوئی نتیجہ نکالتے ہیں۔ ہم صرف اپنے معزز دوست ومکرّم برادر مؤلف براہین احمدیہ کو بطور مشورہ آئندہ کے لئے یہ رائے دیتے ہیں کہ اب وہ امور ثلاثہ معروضہ ذیل سے ایک امر ضرور اختیار کریں۔

(۱):۔ اشتہار کی معیاد میں تخفیف کریں اور بجائے ایک سال ایک مہینہ یا زیادہ سے زیادہ وہ سال کا ربع (تین مہینے) معیاد مقرر کریں۔ اور بصورت عدم مشاہدہ نشان آسمانی حرجانہ وہی چوبیس سو روپیہ رہنے دیں۔

(۲):۔ یہ مناسب نہ سمجھیں تو لوگوں کو اپنے پاس بلانا ملتوی کریں۔ بجائے اس کے ان کو گھر بیٹھے بیٹھے آسمانی نشان دکھانے کی خدا تعالیٰ سے التجا کریں۔ اور ایسی صورتوں میں وہ نشان دکھا دیں جن کا وہ دور و نزدیک سے مشاہدہ وتصدیق کر سکیں۔ مثلاً کسی عظیم الشان کے ایک خاص وقت میں مر جانے یا ایک خاص وقت میں پیدا ہونے کی پیشین گوئی کریں، اور اس کو بذریعہ عام اخبارات و اشتہارات مشتہر کرا دیں۔ چنانچہ پہلے خاص طور پر دیانند سرستی وغیرہ کی موت سے وہ بعض لوگوں کو خبر دے چکے تھے، جس کا ذکر کتاب براہین احمدیہ میں کر چکے ہیں۔ ایسے واقعات کو مصنف وطالبان حق ذاتی مشاہدہ یا عام تسامح وشہادت سے تصدیق کر لیں گے۔ اور مؤلف براہین احمدیہ کو اپنے دعوے میں سچا جان لیں گے، زبان سے مانیں خواہ نہ مانیں۔

(۳):۔ یہ نہ ہو سکے تو بالفعل عملی طور پر تائید کو ملتوی رہنے دیں، علمی تائید میں

شب و روز مصروف ہوں، اور کتاب براہین احمدیہ کے باقی حصے پورے کریں۔ اور اس میں نقلی عقلی دلائل سے دین اسلام کی تائید عمل میں لائیں۔

یہ اس لئے معروض ہوا کہ اس زمانہ آزادی میں طالب حق بہت کم ہیں، اور جو ہیں وہ طرح طرح کے حجابوں (خود بینی، جہالت، نیچریت، فلسفیت وغیرہ وغیرہ) میں محجوب ہیں۔ وہ ایسے دعاوی کو خیالات سمجھتے ہیں اور ان کے مدعی کی کان لگا کر بات ہی سنتے نہیں چہ جائے کہ اس کی اجابت کریں، اور طالب حق بن کر اس کے پیچھے ہو چلیں۔ لہٰذا ان کے سامنے دعویٰ ہو تو ایسا معجز ہو جو ان کا منہ بند کر دے، جیسا کہ حضرات انبیاء علیہ السلام سے بعض اوقات وقوع میں آیا ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو ظاہری اور علمی بحث و کلام پر اکتفا کیا جائے۔

یہ عقلی تجویز سے رائے دی گئی ہے۔ آئندہ آپ الہامی ہیں، اپنی مصلحت و صوابدید کے الہام سے سمجھ سکتے ہیں۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنۃ، نمبر ۷، جلد نمبر ۸، صفحہ ۱۷۷ تا ۱۷۹)

یہاں پر غور کیا جائے تو مولانا بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کو یہ لکھ کر کہ "آپ الہامی ہیں، اپنی مصلحت وصوابدید کے الہام سے سمجھ سکتے ہیں" مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامی ہونے پر اپنی اندھی تقلید کا اظہار کر دیا ہے۔ مولانا بٹالوی نے اپنے اس مشورے میں لکھا ہے "کسی عظیم الشان کے ایک خاص وقت میں مر جانے یا ایک خاص وقت میں پیدا ہونے کی پیشین گوئی کریں اور اس کو بذریعہ عام اخبارات واشتہارات مشتہر کرادیں"۔

یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بعض ایسے ہی دعوے کئے۔ مثلاً اس نے اپنے بیٹے بشیر احمد کے پیدا ہونے کی پیشین گوئی کی۔ اور ایک اشتہار میں لکھا کہ میرے ہاں ایک بیٹا ایسا پیدا ہوگا کہ اوّلین اور آخرین کو پاک کر دیگا۔ وکان اللّٰہ نزل من السماء یعنی گویا کہ خدا ہی آسمان سے میرے گھر میں نازل ہوگا۔ قسمت کی بات کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی وہ بھی مردہ۔ جب لوگوں نے اعتراض کئے تو مرزا قادیانی نے کہا کہ وہ لڑکا آگے پیدا ہوگا۔ اتفاقاً ۱۸۸۷ء میں ایک لڑکا پیدا ہو گیا، اور پھر ڈیڑھ سال بعد وہ بھی مر گیا۔ اس پر پھر شور اٹھا کہ تم نے تو دعویٰ کیا تھا کہ یہ لڑکا مصلح اعظم ہو گیا، یہ تو بچپن ہی میں مر گیا۔ اس پر مرزا قادیانی نے جواب دیا کہ بعض اوقات الہامات میں کبھی غلطی

بھی ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس وقت مرزا قادیانی کے متعلق جو بڑے بڑے اہل علم حسن ظن رکھتے تھے وہ بھی متزلزل ہو گئے مگر مولانا بٹالوی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

اس پر مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

کچھ عرصہ بعد یعنی اگست ۱۸۸۷ء میں حضرت کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا............مگر قدرت خدا کہ ایک سال بعد یہ لڑکا اچانک فوت ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا ملک میں ایک طوفان عظیم برپا ہوا اور سخت زلزلہ آیا حتی کہ میاں عبداللہ سنوری کا خیال ہے کہ ایسا زلزلہ عامتہ الناس کے لیے نہ اس کے قبل کبھی آیا تھا اور نہ اس کے بعد آیا۔ گویا وہ دعویٰ مسیحیت پر جو زلزلہ آیا تھا اسے بھی عامتہ الناس کے لیے اس سے کم قرار دیتے تھے۔ مگر بہر حال یہ یقینی بات ہے کہ اس واقعے پر ملک میں ایک سخت شور اٹھا اور کئی خوش اعتقادوں کو ایسا دھکا لگا کہ پھر وہ نہ سنبھل سکے۔ مگر تعجب ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس واقعے کے بعد بھی خوش اعتقاد رہا۔ (سیرت المہدی ص ۱۰۶ جلد ۱)

گویا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں اس وقت کے جو علماء حسن ظن رکھتے تھے ان سب کی خوش اعتقادی ختم ہو گئی تھی۔ مگر مرزا قادیانی اور مولانا بٹالوی کے آپس میں تعلق، دوستی اور فکری ہم آہنگی کا ہی یہ نتیجہ تھا خوش اعتقادی نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں اور بھی پختگی آ گئی۔

مولانا بٹالوی اور قادیانی گٹھ جوڑ پر مولانا محمد لدھیانوی کی طرف سے اشتہار

علماء لدھیانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء کو دیا تھا، اور یہ واقعہ ۱۳۰۵ یا ۱۳۰۶ھ میں پیش آیا، یعنی علماء لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کے پانچ سال بعد۔

مولانا محمد لدھیانویؒ ان دنوں کچھ عرصہ کے لئے مسلک حنفی کے ایک دینی ادارے کی دعوت پر عظیم آباد "پٹنہ" صوبہ بہار تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں چونکہ فتنہ ترک تقلید بہار میں بھی زور پکڑ رہا تھا، اس لئے اس کی بیخ کنی کے لئے وہاں کے لوگوں نے انہیں بلایا تھا۔ مولانا محمد لدھیانویؒ کافی عرصہ وہاں مقیم رہے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے مولانا بٹالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے گٹھ جوڑ پر بھی نگاہ رکھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے کے مرنے پر بھی جب بٹالوی صاحب متزلزل نہ ہوئے تو مولانا محمد لدھیانویؒ نے ایک اشتہار شائع کیا۔ وہ یوں ہے:

حالات مرزا غلام احمد قادیانی

یہ شخص بظاہر اپنے آپ کو مجدّد کہتا ہے مگر در پردہ نبوت کا مدعی ہے، اور ایک کتاب ''براہین احمدیہ'' کے نام سے اس نے تالیف کرنی شروع کی اور اس میں الہامات کے نام سے اٹکل پچو عبارتیں درج کیں، جیسے اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ قَرِیْبًا مِنَ الْقَادِیَان ،اوریَا مَرْیَمُ اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّة ،دیکھو اس شخص نے مریم علیہ السلام کے واسطے شوہر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے والد برخلاف آیۃ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَر اور آیۃ مَثَلَ عِیْسیٰ عِنْدَاللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَه مِنْ تُرَاب کے نیچری کی طرح ثابت کیا۔اور ایک اشتہار میں درج کیا کہ میرے ہاں ایک بیٹا ایسا پیدا ہوگا کہ اوّلین اور آخرین کو پاک کردیگا۔وکان اللّٰہ نزل من السماء یعنی گویا کہ خدا ہی آسمان سے میرے گھر میں نازل ہوگا۔تقدیراً بجائے لڑکے موصوف کے لڑکی مردہ پیدا ہوئی۔جب لوگ طعن کرنے لگے تو آپ نے ارشاد کیا کہ وہ لڑکا آگے پیدا ہوگا۔اتفاقاً ایک لڑکا پید ہوکر اٹھارہ مہینے کا ہوکر مرگیا۔جب ہر طرف سے اخباروں میں اس کی تردید شروع ہوئی تو پھر یوں تحریر کیا کہ ''الہام میں کبھی خطاء بھی ہوجایا کرتی ہے''۔البتہ اگر الہامات کو قطعی قرار نہ دیتا تو یہ عذر بجا تھا۔یہ شخص تو کتاب مذکور میں اپنے الہامات کی قطعیت بیان کرچکا ہے تو پھر یہ عذر اس کا بالکل لچر ہے۔

غرض ہماری اس بیان سے یہ ہے کہ ایسے جاہل اور خرافاتی کے پیچھے عوام کالانعام کا لگنا کوئی امر عجیب نہیں تھا لیکن جو شخص اپنے آپ کو ذی علموں میں شمار کرے اور عوام کالانعام سے بڑھ کر اس کا غلام بن جاوے ''مثل مولوی محمد حسین لاہوری کے'' سخت احمق اور بے وقوف ہے۔خدا تعالیٰ ایسے ذی علم کو ہدایت دے ورنہ اس کے شر سے لوگوں کو بچائے۔

آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

المشتہر: (مولوی) محمد بن مولانا مولوی عبدالقادر محدّث لدھیانوی، حال مقیم عظیم آباد، پٹنہ، بہار

مولانا محمد لدھیانویؒ نے یہ تحریر پہلے ایک عوامی اشتہار کی شکل میں شائع کی، پھر بعد میں کچھ

تبدیلی کے ساتھ اپنی کتاب ''فیوضات سید احمد مکی'' کے صفحہ نمبر ۴۰؍ پر بھی جگہ دی۔

کیا صرف اکیلے مولانا بٹالوی ہی مرزا قادیانی ہم نوا تھے؟

یہاں پر دیکھنا یہ ہے کہ کیا مولانا محمد حسین بٹالوی ہی ابتداء میں صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی زلفِ مجدّدیّت کے اسیر تھے اور صرف بٹالوی صاحب نے ہی مرزا قادیانی کے ''براہین احمدیہ'' میں شائع شدہ الہامات کی تائید و توثیق کی تھی یا کچھ اور شخصیات بھی تھیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس میدان میں بٹالوی صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے مسلک کے بڑے بڑے بزرگوں نے بھی اس کتاب کی تصنیف پر مرزا قادیانی کے اوپر نہ صرف عقیدت کے پھول نچھاور کئے بلکہ خواب اور کشف کے ذریعے سے پیش گوئیاں بھی کیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مرزا قادیانی کے بارے میں حسنِ ظن

ان میں سرِ فہرست مکتبہ فکر اہل حدیث کے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مرزا غلام احمد قادیانی سے ابتدائی تعلق کے متعلق تاریخ احمدیت کا مصنف لکھتا ہے:

> اسی زمانہ (۱۸۸۵ء) میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں محض شوق زیارت میں بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان آئے۔

(تاریخ احمدیت ص ۱۸ جلد ۲)

ہم اس سلسلے میں صرف ''تاریخ احمدیت'' کے مصنف کی روایت پر اکتفاء نہیں کرتے کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ یہ تو قادیانیوں نے لکھا ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے یہاں پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ذاتی تحریر پیش کی جاتی ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ ''مرزا صاحب کی نظر عنایت خاکسار پر'' مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

> آسماں بار امانت نتوانست کشید
> قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

> جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ

تک اور براہین احمدیہ سے بعد۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷، ۱۸ سال تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پا پیادہ تنہا قادیان گیا۔ ان دنوں مرزا صاحب ایک معمولی مصنف کی حیثیت میں تھے۔ مگر باوجود شوق اور محبت کے میں نے وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جوان کی بابت خیالات تھے وہ پہلی ملاقات میں مبدّل ہوگئے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ آئے اور آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو، کیا کام کرتے ہو؟ میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ اتنا جانتا تھا کہ آتے ہوئے السلام علیکم کہنا سنت ہے۔ فوراً میرے دل میں آیا کہ انہوں نے مسنون طریقہ کی پرواہ نہیں کی، کیا وجہ ہے۔ مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا اس لیے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا۔ (تاریخ مرزا ص ۵۹ شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

یہاں پر ایک بات اور بھی واضح ہوگئی کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نزدیک بھی ''براہین احمدیہ'' ایک ایسی کتاب تھی جس کی نظیر ملنا مشکل تھی۔ اسی لیے تو مولانا ثناء اللہ امرتسری پا پیادہ شوق زیارت میں بٹالہ سے قادیان جا کر اس بات کا اظہار کر رہے ہیں۔ باقی مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جہاں یہ لکھا ہے کہ مرزا قادیانی کے سلام نہ کرنے سے طبیعت مبدل ہوگئی پھر بھی حسن ظن کا ایسا غلبہ تھا کہ براہین احمدیہ کے حق ہونے کے صدقے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا۔

عجیب بات ہے مولانا محمد حسین بٹالوی کے بعد غیر مقلّدین کے مناظر اعظم ''فاتح قادیان'' بھی مرزا قادیانی کی زلف ''براہین احمدیہ'' کے اسیر تھے۔ ان کو بھی علمائے لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کے باوجود براہین احمدیہ' میں کوئی کفر کی وجہ نہیں ملی۔

علمائے لدھیانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتوی ۱۸۸۴ء میں دیا تھا۔ جب کہ مولانا ثناء اللہ کی پیدائش ۱۸۶۸ء ہے۔ اس حساب سے ۱۷، ۱۸ سال کی عمر ۱۸۸۵ء یا ۱۸۸۶ء بنتی ہے۔ گویا کہ علمائے لدھیانہ کے فتویٰ تکفیر کے ایک یا دو سال کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری مرزا قادیانی کی زیارت کے لیے پاپیادہ بٹالہ سے قادیان پہنچے۔ اور اس وقت سے لیکر مرزا قادیانی سے اختلاف تک فاتح قادیان کا ''براہین احمدیہ'' پر غیر متزلزل یقین تھا۔

مولانا عبداللہ غزنوی کا کشف

مولانا عبداللہ غزنوی اہل حدیث طبقہ میں روحانیت کے اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ان کے ایک کشف کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی ازالہ اوہام میں لکھتا ہے:

ازانجملہ بعض مکاشفات مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم ہیں۔جو اس عاجز کے زمانہ ظہور سے پہلے گزر چکے ہیں۔چنانچہ ایک یہ ہے کہ آج کی تاریخ ۱۷جون ۱۸۹۱ء سے عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب جو ایک مرد صالح بے ریا متقی اور متبع سنت اور اول درجہ کے رفیق اور مخلص مولوی عبداللہ صاحب غزنوی ہیں۔وہ قادیان میں اس عاجز کے پاس آئے اور باتوں کے سلسلے میں بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف سے ایک پیش گوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔فقط..........ایسا ہی فروری ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیار پور منشی محمد یعقوب صاحب برادر حافظ محمد یوسف نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم سے ایک دن میں نے سنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ معمور کئے جائیں گے۔

(ازالہ اوہام ،حصہ دوم ص ۲۸۶، ۲۸۷۔۔ناشر بک ڈپو تالیف قادیان)

نوٹ: قارئین کرام یہ دونوں راوی حافظ محمد یوسف اور منشی محمد یعقوب صاحب اہلحدیث تھے۔شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے پکے عقیدت مند تھے۔۱۸۹۲ء کے بعد جا کر یہ لوگ مرزائیت سے تائب ہو گئے تھے۔

ایک اور اہل حدیث کا مکاشفہ

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ:

''ازانجملہ ایک کشف ایک مجذوب کا ہے جو اس زمانے سے ۳۰ یا ۳۱ برس پہلے اس عالم بے بقا سے گزر چکا ہے جس شخص کی زبان سے میں نے یہ کشف سنا ہے وہ ایک معمر

سفید ریش آدمی ہے جس کے چہرے پر آثار صلاحیت وتقویٰ ظاہر ہے۔ جس کی نسبت اس کے جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ یہ درحقیقت راست گو اور نیک بخت اور صالح آدمی ہیں۔ یہاں تک کہ مولوی عبدالقادر مدرس جمال پور، ضلع لدھیانہ نے جو ایک صالح آدمی ہے اس پیر سفید ریش آدمی کی بہت تعریف کی کہ درحقیقت یہ شخص متقی اور متبع سنت اور راست گو ہے۔ اور نہ صرف انہوں نے آپ ہی کی تعریف کی بلکہ اپنی ایک تحریر میں یہ بھی لکھا کہ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کے جو گروہ موحّدین (اہلحدیث) میں سے ایک منتخب اور شریف اور غایت درجہ کے خلیق اور بردبار اور ثقہ ہیں جن کے والد صاحب مرحوم کا جو ایک باکمال بزرگ تھے یہ سفید ریش بوڑھا، قدیمی دوست اور ہم قوم اور پرانے زمانہ سے تعارف رکھنے والا ہے..........اب وہ کشف جس طور سے میاں کریم بخش موصوف نے اپنے تحریری اظہار میں بیان کیا اس اظہار کی نقل مع ان تمام شہادتوں کے جو اس کاغذ پر ثبت ہیں ذیل میں ہم لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

میرا نام کریم بخش والد کا نام غلام رسول قوم اعوان ساکن جمال پور اعوانہ تحصیل لدھیانہ، پیشہ زمینداری عمر تقریباً ۶۴ سال، مذہب موحّد اہلحدیث حلفاً بیان کرتا ہوں کہ عرصہ تخمیناً تیس یا اکتیس سال کا گزرا ہوگا یعنی سمت ۱۹۱۷ء میں جب کہ سن سترہ کا ایک مشہور قحط پڑا تھا۔ ایک بزرگ گلاب شاہ نام جس نے مجھے توحید کا راہ سکھلایا اور جو بباعث اپنے کمالات فقر کے بہت مشہور ہو گیا تھا اور دراصل باشندہ ضلع لاہور کا تھا ہمارے گاؤں جمال پور آ رہا تھا اور ابتداء میں ایک فقیر سالک اور زاہد اور عابد تھا اور اسرار توحید اس کے منہ سے نکلتے تھے لیکن آخر اس پر ایک ربودگی اور بے ہوشی طاری ہو کر مجذوب ہو گیا اور بعض اوقات قبل از ظہور بعض غیب کی باتیں اس کی زبان پر جاری ہوتیں اور جس طرح وہ بیان کرتا آخر اسی طرح پوری ہو جاتیں..................اس بزرگ نے ایک دفعہ جس بات کو عرصہ تیس سال کا گزرا ہوگا مجھ کو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانہ میں آ کر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور قرآن کی رُو سے فیصلہ کرے گا اور کہا کہ مولوی اس سے انکار کریں گے۔ پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے۔ تب میں نے تعجب

کی راہ سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں ،قرآن تو اللہ کا کلام ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں ہوگئیں اور شاعری زبان پھیل گئی (یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپایا گیا۔جیسا شاعر مبالغات پر زور دے کر اصل حقیقت کو چھپا دیتا ہے) پھر کہا کہ جب وہ عیسی آئے گا تو فیصلہ قرآن سے کرے گا۔پھر اس مجذوب نے بات کو دوہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کر جائیں گے اور پھر یہ بھی کہا کہ انکار کریں گے اور جب وہ عیسیٰ لدھیانہ میں آئے گا تو قحط بہت پڑے گا۔پھر میں نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بیچ قادیان کے۔یعنی قادیان میں تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس ہیں وہاں عیسیٰ کہاں ہے۔(لدھیانہ کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے)اس کا انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ضلع گورداس پور میں بھی کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔پھر میں نے ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ آسمان پر اٹھائے گئے اور کعبہ پر اتریں گے تب انہوں نے جواب دیا کہ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا ہے اب وہ نہیں آئے گا ہم نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ مر گیا ہے ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے اور کہا کہ جو آسمانوں والے صاحب ہیں وہ کسی کے پاس چل کر نہیں آیا کرتے۔

المظہر

میاں کریم بخش بمقام لدھیانہ ،محلّہ اقبال گنج ۱۴رجون ۱۸۹۱ءروز شنبہ

(ازالہ اوہام ،حصہ دوم ،ص ۲۸۸،۲۸۹۔۔۔۔بک ڈپو تالیف قادیان ۱۹۲۹ء)

اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک لمبی فہرست گواہوں کی لکھی ہے جنہوں نے اس وقت میاں کریم بخش کے اس بیان پر تصدیقی دستخط کئے تھے۔آگے مرزا قادیانی لکھتا ہے:

اس بیان کے بعد پھر میاں کریم بخش نے بیان کیا کہ ایک بات میں بیان کرنے سے رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اس عیسیٰ کا نام غلام احمد ہے۔(ازالہ اوہام ص ۲۶۳)

پیر آف جھنڈا سندھ کا کشف

صوبہ سندھ پاکستان میں حیدر آباد شہر کے قریب ایک بستی ہے وہاں پر غیر مقلّدین کے بزرگوں کی ایک پرانی گدّی ہے جس کو عام طور پر پیر جھنڈا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی بستی کے ایک پیر صاحب جو کہ پیر سید اشہد الدّین جھنڈے والے کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں ''پیر صاحب العلم'' کے نام سے لکھا ہے۔

علم، عین اور لام کی زبر اور میم کی جزم کے ساتھ جو لفظ بنتا ہے اس کا معنی اردو میں جھنڈا ہے۔

ان کے متعلق مرزا قادیانی لکھتا ہے:

اور دوسرے پیر صاحب العلم ہیں جو بلاد سندھ کے مشاہیر مشائخ میں سے ہیں۔ جن کے مرید ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہوں گے اور باوجود اس کے وہ علوم عربیہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور علماء راسخین میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے میری نسبت گواہی دی ہے وہ یہ ہے۔

''یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو عالم کشف میں دیکھا۔ پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ جھوٹا اور مفتری ہے یا صادق ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے پس میں نے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے پس اگر آپ یہ کہو کہ ہم امریکہ میں چلے جائیں تو ہم وہیں جائیں گے اور ہم نے اپنے تئیں آپ کے حوالہ کر دیا ہے اور انشاء اللہ ہمیں فرمانبردار پاؤ گے۔'' یہ وہ باتیں ہیں جو ان کے خلیفہ عبداللطیف مرحوم اور شیخ عبداللہ عرب نے زبانی بھی مجھے سنائیں اور اب بھی میرے دلی دوست سیٹھ صالح محمد حاجی اللہ رکھا صاحب جب مدراس سے ان کے پاس گئے تو انہیں بدستور مصدّق پایا۔ بلکہ انہوں نے عام مجلس میں کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں عصا لے کر تمام حاضرین کو بلند آواز سے سنا دیا کہ میں ان کو اپنے دعوی میں حق پر جانتا ہوں اور ایسا ہی مجھے کشف کی رو سے معلوم ہوا ہے اور ان کے صاحب زادہ صاحب نے کہا کہ جب میرے والد صاحب تصدیق کرتے ہیں تو مجھے بھی انکار نہیں۔ (سلسلہ تصنیفات جلد ششم ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۰۷،۳) (جاری ہے)

پاکستان کی دگرگوں معاشی، معاشرتی اور دفاعی صورتحال

اور ہنگامی اقدامات کی ضرورت

جاوید بشیر

وطن عزیز کو معرض وجود میں آئے ہوئے ساٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے مگر سابقہ ادوار میں گو کہ سرزمین پاکستان اور پاکستانی عوام نے جنگوں، آفات الٰہی، آمریت جیسے سنگین حالات کا کئی مرتبہ خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا مگر آج جن حالات سے قوم اور ملک گزر رہے ہیں وہ کسی لمحہ فکریہ سے کم نہ ہیں۔ ہر ذی شعور حالات کی دن بدن خراب ہوتی صورت حال کو دیکھ کر اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل اور ملکی استحکام کے بارے میں فکرمند نظر آتا ہے۔ ملک اور قوم مالی طور پر ہی نہیں فکری طور پر بھی مفلسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وکلا کی ہڑتال عدالتی نظام کی تباہی ایسے عوامل ہیں جس سے لوگ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے جا رہے ہیں۔ اہل علم وفکر پریشان ہیں کہ وہ آنے والی نسلوں کو کیا دے کر جا رہے ہیں۔

درحقیقت ملک کی موجودہ صورت حال فوری ہنگامی اقدامات کی متقاضی ہے۔ نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہے۔ جس کی بڑی وجہ مذہب سے دوری موبائل اور انٹرنیٹ کلچر، بے روزگاری، حکومتی عدم استحکام، عدالتی نظام کی ناکامی، آباؤ اجداد کے طور طریقوں سے لاعلمی اور ہمسایہ ملک کی ثقافتی یلغار ہے۔ قوم کو اس وقت کسی ایسے رہنما کی اشد ضرورت ہے جو تمام قوم کو صوبائیت سے بلند تر ہو کر متحد ہونے کا درس دے سکے۔ اور قوم کو ملکی وسائل پر انحصار کرتے ہوئے سادہ زندگی گزارنے کے درس دے سکے۔ قوم کو ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو اس ملک کی نوجوان نسل کو بے لگام اور بے مقصد زندگی سے نکال کر مقصدیت سے آشنا کر سکے۔ ذیل میں چند ایسی تجاویز دی جاتی ہیں جن پر فوری عمل کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اب شائد مزید غلطیوں اور لاپراہیوں کی گنجائش باقی نہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سامان تعیش کی درآمد پر حقیقی معنوں میں فوری پابندی عائد کر دی جائے اور قیمتی کاروں، سامان آرائش، سامان آسائش، برقی آلات، کپڑا، کھانے پینے کی اشیاء پر بیرون ملک سے منگوانے پر مستقل پابندی عائد کر دی جائے اور قوم کو درس دیا جائے کہ پاکستان میں تیار سامان پر اکتفاء کریں۔

اس پابندی کے ساتھ ساتھ قوم کو میڈیا کے ذریعے سادہ زندگی کی تعلیم دی جائے۔ میڈیا کے ذریعے جہاں نوجوان نسل کو ماضی میں ماڈرن طرز زندگی کی ترغیب دی جاتی رہی ہے وہیں ایک مرتبہ سادہ طرز زندگی کی ترغیب دینے کی کوشش کی جائے تو نوجوان نسل یقیناً سادہ زندگی کی طرف راغب ہوسکتی ہے۔ اسلام بھی ہمیں بے جا نمود و نمائش اور بے جا تصرف کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک طرف تو ملک کے غریب عوام زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لیے ترس رہے ہیں اور دوسری جانب امراء کا طبقہ عیاشیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے جنگلی پرندوں کے شکار پر کرڑوں روپیہ کی شاہ خرچیوں میں مصروف نظر آتا ہے۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ امراء کے اس مخصوص طبقہ کو قانون سازی کے ذریعے شاہ خرچیوں اور ملکی دولت کی بیرون ملک منتقلی سے روکا جائے۔

مقروض معیشت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے قومی وسائل کو صحیح سمت پر منصوبہ بندی کے تحت استعمال کیا جائے اور قوم میں یہ سوچ اجاگر کی جائے کہ ہمیں ملک کے استحکام اور آئندنسلوں کی فلاح اور آزادی کے لیے اپنے وسائل پر انحصار کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر ہم مقروض معیشت سے کبھی بھی چھٹکارا حاصل نہ کرسکیں گے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ قوم کو ایک منشور پر یکجا کیا جائے۔ قوم کی اس ملک کے قیام کے مقاصد اور آئندہ کے اہداف سے آگاہی نہایت ضروری ہے ورنہ مقصدیت اور اہداف کے بغیر کبھی منزل حاصل نہیں ہوسکتی۔ موجودہ حالات اس قدر دگرگوں ہیں کہ ان پڑھ اکثریت کا تو ذکر ہی کیا پڑھے لکھے افراد پاکستان کی تاریخ اور تحریک سے ناواقف ہیں۔ گویا وہ بغیر منزل کے تعین کے سفر کررہے ہیں۔ ملکی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان جنگ آزادی اور قرارداد مقاصد کی منازل طے کرتے ہوئے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔

موجودہ صورت حال یوں ہے کہ پاکستان قوم خصوصاً نوجوان نسل مذہب سے دور ہی نہیں بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی مقصدیت ک فقدان کا شکار ہے ان کے سامنے نہ تو زندگی کا کوئی مقصد ہے اور نہ ہی کسی مقصد کے حصول کی کوئی منصوبہ بندی۔ قوم قصوصاً نوجوان شتر بے مہار کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ قوم کو حب الوطنی کا درس دیا جائے۔ ان عوامل پر غور کیا جائے جنہوں نے قائداعظم اور علامہ اقبال جیسے سپوت پیدا کرنے والی قوم کو آج اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے کہ پوری قوم بے حسی اور بے مقصدیت کا شکار ہوتی جارہی ہے۔ جس قوم کے آباؤ اجداد نے تحریک

پاکستان کے ذریعے پاکستان کے حصول کا معجزہ کر دکھلایا تھا وہ قوم آج ملک کی ترقی اور فلاح میں ناکام کیوں ہو رہی ہے۔ مستقبل میں ملک کی باگ دوڑ نوجوان نسل کو سنبھالنا جو اس وقت ملکی حالات، بے روزگاری اور عدم استحکام کی وجہ سے بے راہ وری اور غیر ذمہ داری کا شکار ہے۔ نوجوان نسل کو ماضی میں کبھی بھی وہ مقام یا اہمیت نہیں دی گئی جس کی وہ حقیقت میں اہل ہے۔ جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل کو تدریسی سطح پر ایسا نظام تعلیم دیا جائے کہ ان کی کردار سازی اس طرز پر ہو سکے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد حیات ہو اور وہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو سکیں اور نوجوان نسل کو اس طرف راغب کیا جا سکے کہ وہ فنی تعلیم حاصل کریں اور سادہ زندگی گزارنے پر آمادہ ہو سکیں۔

موجود صورتحال یوں ہے کہ میڈیا نوجوانوں کو محبت، بھائی چارہ اور سادگی کا درس دینے کی بجائے ماڈرن طرز زندگی بڑی بڑی کوٹھیوں، قیمتی کاروں کی چکا چوند سے روشناس کروا رہا ہے جبکہ عملی زندگی میں انہیں غربت، بے روزگاری، عدم تحفظ، قیادت کے فقدان جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نتیجتاً وہ فرسٹریشن کا شکار ہوتے ہیں اور بے راہ روی اور جرائم کی راہ پر چل کر راتوں رات امیر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل کو غیر اسلامی ممالک کی ثقافتی یلغار سے محفوظ رکھا جائے انہیں مذہب کی تعلیم اور تاریخ اسلام سے روشناس کروایا جائے تاکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی زندگی اور مقصد حیات سے واقف ہو سکیں اور اپنی زندگی کو درست روش پر ڈال سکیں۔

جہاں ہم نوجوان نسل کی کردار سازی کی بات کرتے ہیں اور نوجوان نسل سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں تو وہاں ریاست کی بھی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں خصوصاً نوجوان نسل کو ذہنی اور جسمانی کردار سازی کے پورے مواقع فراہم کرے۔ نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں کے لیے پلے گراؤنڈ، صاف پانی، ملاوٹ سے پاک اشیائے خورد ونوش اور سستی تعلیم کی فراہمی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ ملک کی معاشی ناگفتہ بہ حالت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں کفایت شعاری اور خود انحصاری کی پالیسی پر ہنگامی بنیادوں پر عملدر آمد شروع کروایا جائے اور ملکی وسائل پر انحصار کیا جائے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر غیر ضروری درآمدات پر پابندی عائد کی جائے۔ سرکاری اداروں کے بجٹ پر نظر ثانی کی جائے۔ سرکاری اداروں میں ٹی اے/ڈی اے، میڈیکل و دیگر اخراجات کے بارے میں ایسی پالیسی متعارف کروائی جائے کہ غیر ضروری اخراجات کو روکا جا سکے۔

اور ملکی وسائل پر انحصار کیا جائے۔ سرکاری محکموں کے لیے غیر ملکی اشیاء کی خرید پر پابندی عائد کی جائے۔

غیر ملکی سرکاری کاروں کی خرید بند کی جائے۔ انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس کی وصولی کا آسان نظام متعارف کروایا جائے اور میڈیا کے ذریعے عوام میں شعور بیدار کیا جائے تا کہ وہ حکومت کو ٹیکس کی ادائیگی کرنے میں فخر محسوس کریں۔ ٹیکسوں کی مد میں وصول ہونے والی اربوں روپے کی رقم کے خالصتاً عوام کی فلاح و بہود کے منصوبوں پر استعمال کیا جائے اور تمام سرکاری ترقیاتی منصوبوں پر پاکستانی کمپنیوں اور فرموں کے ذریعے عمل کروایا جائے اور غیر ملکی فرموں کو ٹھیکے دینے اور کمیشن لینے کے کلچر کا خاتمہ کیا جائے۔

پاک فوج کے اخراجات میں کمی لائے جائے۔ فوجی ٹرانسپورٹ کے غیر ضروری استعمال، خورد و نوش، رعائتی کاروں کوٹھیوں کے اخراجات میں کمی لائی جائے۔ اشد ضرورت کی صورت میں اسلحہ خریدا جائے اور افواج پاکستان کے جوانون کو ملکی بہتری کے منصوبہ جات میں خدمات سرانجام دینے کا پابند کیا جائے اور ہر فوجی کو کم از کم تین سال کے لیے فوجی مشقوں کے ساتھ ساتھ دیگر مثبت اور تعمیری قومی ترقیاتی منصوبوں میں فرائض انجام دینے کا پابند کیا جائے۔ تمام فوجی کنٹونمنٹس اور چھاؤنیوں میں چھوٹے صنعتی مراکز بنائے جائیں جہاں ہمارے فوجی بھائی جنگ کے دنوں کو چھوڑ کر باقی فراغت کے عرصے میں کم از کم تین سال کے لیے فرائض انجام دیں۔ ملکی بجٹ کا بڑا حصہ ہمیشہ سے افواج پاکستان کے زیر استعمال ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کے تمام کینٹ ایریاز میں دس سال کے لیے نئے منصوبہ جات پر پابندی عائد کی جائے۔ اور وہی رقم سول علاقوں پر صرف کی جائے۔

افواج پاکستان میں قیمتی کمرشل پلاٹوں اور زرعی اراضیات کی بندر بانٹ فوری طور پر بند کی جائے۔ افواج پاکستان کے ریٹائرڈ اور حاضر سروس افسران کے لیے دفاعی بجٹ میں سے بنگلوں کی تعمیر پر دس سال کے لیے مکمل پابندی عائد کی جائے۔ حالت جنگ کے علاوہ افواج پاکستان کی ٹرانسپورٹ کے پٹرول کے اخراجا میں کم از کم پچاس فی صد کمی جائے۔

پاکستان کے آئیڈل موسمی حالات متقاضی ہیں کہ ملک میں ایسی زرعی اصلاحات فوری طور پر نافذ کی جائیں تا کہ عام کاشتکار کو ایسا ماحول مل سکے کہ وہ بہتر سے بہتر پیداوار حاصل کریں۔ موجودہ حالات میں جبکہ ملک میں ہر قسم کی انڈسٹری زبوں حالی کا شکار ہے۔ کاشتکاروں کے موجودہ حالات بھی

بہت مایوس کن ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ زرعی ادویات، کھاد، بیج، اور زرعی آلات کے معاملے میں حکومت کاشتکاروں کے لیے آسان اور پرکشش پیکجز متعارف کروائے۔ موجودہ حکومت اس معاملہ میں بے نظر آتی ہے۔ ملک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں ایکڑ اراضی سالہا سال سے بنجر پڑی ہے۔ ضرورت اس امر کی کہ ایسی تمام بنجر زمینوں کو حکومت آسان شرائط پر آباد کروانے کی منصوبہ بندی کرے تاکہ ملکی وسائل اور پیداوار میں اضافہ ہو سکے۔

فصلوں کی انشورنس کی پالیسی نافذ کر کے غریب کسان کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ پھل دار درختوں اور باغات اگانے پر کسان کو اضافی سہولیات اور معاونت فراہم کی جائے۔ پولٹری فارمنگ، ڈیری فارمنگ اور ماہی پروری سے متعلقہ محکموں کو پابند کیا جائے کہ وہ ایسے پیکجز اور پالیسی ترتیب دیں کہ جس تک عام آدمی کی رسائی ہو اور ایسی سکیموں کو میڈیا کے ذریعے تشہیر تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ عوام کو حقیقی معنوں میں سہولیات فراہم کی جائیں۔ موجود حالات میں لازم ہے کہ قومی سطح کی درست سمت منصوبہ بندی کی جائے اور قومی وسائل پر انحصار کرتے ہوئے مذکورہ منصوبہ بندی کے مطابق بہتر سے بہتر نتائج حاصل کیے جائیں۔ قوم کو سہل پسندی کی بری عادت سے نکالا جائے اور سوئی ہوئی قوم کے احساسات کو جھنجھوڑ کر خوابِ غفلت سے بیدار کیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آئندہ کی منصوبہ بندی کرتے وقت بجٹ کی تقسیم اس طور کی جائے کہ کسی کو صوبائیت کی آگ کو ہوا دینے کا موقع نہ مل سکے اور تمام ترقیاتی منصوبہ جات کی تکمیل کے لیے ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو ملکی سیاست سے بالاتر ہو کر ترقیاتی کاموں کی منصوبہ بندی اور عملدرآمد کروائے۔ تمام بڑے ترقیاتی منصوبوں مثلاً ڈیموں، بجلی گھروں اور بڑی شاہراہوں کی تعمیر جیسے منصوبوں کو پارلیمنٹ میں زیرِ بحث لا کر فیصلہ کیا جائے جو اسکے بعد اس کام کو مذکورہ سیاسی ادارہ کے سپرد کیا جائے اور اس کی تکمیل منصوبہ بندی اور عملدرآمد میں خود مختار ہو۔ گویا سیاست دانوں اور ارکان پارلیمنٹ منصوبہ بندی کی اصولی منظوری کی حد تک اپنا مشورہ میں جہاں تک اس پر عملدرآمد کا معاملہ ہے تو اس کو سیاست کی نذر نہ کیا جائے تاکہ ترقیاتی منصوبے اپنے وقت پر مکمل ہو سکیں اور حکومت کی تبدیلی ان پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

شیخ الاسلام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

وہ فارس کے شہر فیروز آباد میں پیدا ہوئے اور زندگی کے ابتدائی ایام وہیں گزارے، پھر سن ۴۱۰ھ میں شیراز منتقل ہوگئے اور وہاں پر ابو عبداللہ بیضاویؒ اور عبدالوہاب بن رامینؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بصرہ میں علامہ شیرازی علامہ خزری سے فقہ پڑھتے رہے۔ سن ۴۱۵ھ میں وہ بغداد میں داخل ہوئے اور قاضی ابوالطیب طبریؒ سے پڑھنا شروع کیا۔ ایک عرصہ تک ان کی مجلس میں رہنے کی وجہ سے وہ مشہور ہوگئے اور ان کے بڑے ساتھیوں میں شمار ہونے لگے۔ سامعین پر ان کا پڑھایا ہوا سبق دہرانا بھی ان کے فرائض میں شامل ہوگیا تھا۔

علمی کمال اور دنیا سے لاتعلقی

ابو اسحاق فصیح بلیغ اور بے نظیر ذکاوت کے مالک تھے، فصاحت اور قوت مناظرہ میں وہ ضرب المثل تھے لیکن خط انتہائی بیکار تھا۔ قاضی ابوالعباس جرجانیؒ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق دنیا سے بالکل تہی دامن تھے۔ ایک مرتبہ ان پر ایسی تنگ دستی آئی کہ ان کے پاس کھانے پینے کے کچھ نہ تھا۔ ہم ان کے قطیعہ میں ان سے پڑھنے آتے تو وہ بے پردگی کے خوف سے سیدھا کھڑے ہونے کے بجائے آدھے کھڑے ہوتے۔

ایک دن میں ان کے ساتھ چل رہا تھا کہ راستے میں ان کو ایک لوبیا فروش نے پکڑ لیا اور کہا اے شیخ! آپ نے تو میری کمر توڑ دی اور مجھے فقیر بنا دیا۔ ہم نے پوچھا کتنا قرضہ ہے تمہارا، اس پر اس نے سونے کے دو اڑھائی سکے "تلك اذا كرة خاسرة" چند دنوں تک جب انہیں کھانے کو کچھ نہ ملتا تو وہ بغداد کے آخر میں واقع نصریہ کے علاقہ میں اپنے ایک لوبیا فروش دوست کے پاس چلے جاتے تو وہ لوبیا کے شوربے اور روٹی کا ثرید بنا کر ان کو پیش کرتا۔ متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ وہ اپنے دوست کے پاس ایسے وقت پہنچے جب وہ لوبیا بیچ کر اپنا دروازہ بند کر چکا ہوتا تھا۔ تو ابو اسحٰق اس کے دروازے پر تھوڑی دیر کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھتے۔ تلك اذاً كرةً خاسرة (ترجمہ: "پھر وہ لوٹنا بڑے خسارے کا ہوگا") اور واپس ہو جاتے۔

تقویٰ

اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ وہ مسجد میں کھانے کے لیے داخل ہوئے تو جاتے ہوئے ایک دینار مسجد میں

بھول گئے۔ راستے میں یاد آیا تو واپس لوٹے، وہ دینار مسجد میں ہی پڑا ہوا تھا لیکن یہ سوچ کر کہ ہوسکتا ہے یہ کس اور کا ہو اس کو وہیں چھوڑ دیا۔

اپنے گھر سے روٹی کے دو ٹکڑے نکال کر ایک ساتھی کو دیئے اور کہا اس ٹکڑے کے عوض شیرہ خرید ا دوسرے ٹکڑے پر رکھ کر لے آؤ۔ وہ شیرہ خرید کر لے آیا لیکن یہ بھول گیا کہ اس نے کس ٹکڑے کے عوض خریدا ہے تو شیخ یہ کہہ کر اس کو کھانے سے انکار کر دیا کہ معلوم نہیں کہ اس نے اسی ٹکڑے کے عوض یہ شیرہ خریدا ہے جس میں میں نے اس کو وکیل بنایا تھا یا دوسرے ٹکڑے کے عوض۔

''مسجد میں کبوتر'' کا خطاب

دن رات علم کی مشغولیت اور مسجد میں رہنے کی وجہ سے ان کے استاذ ابو الطیب طبری ان کو مسجد کا کبوتر کہا کرتے تھے۔

خواہش پوری نہ ہوسکی

ابو اسحٰق کہتے کہ دوران طالب علمی کئی سالوں تک میرا دل لوبیا کھانے کو چاہتا رہا لیکن سبق کی مشغولیت اور صبح وشام کے تکرار کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

ہر سبق کو ہزار مرتبہ دہرانا

وہ کہتے ہیں کہ میں ہر قیاس کو ہزار مرتبہ دہراتا تھا اس سے فارغ ہو کر پر ھ دوسرے قیاس کو پڑھنا شروع کرتا۔ اسی طرح سبق کو میں ہزار دفعہ دہراتا تھا۔

جب کسی مسئلہ میں مجھے بطور استشہاد کے کسی ایک شعر کی ضرورت پڑتی تو میں اس پورے قصیدے کو یاد کر لیتا جس میں وہ شعر ہوتا۔ زمانہ طالب علمی کے ابتدائی دور میں ان کی علم میں مشغولیت عجیب اور دائمی تھی۔ ان کے اس دور کو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ علم میں ان کے قلب وجگر پگھلنے پر ہم تعجب کیا کرتے تھے۔ ان کی روح شدید تقویٰ کی طرف مائل اور مضبوط دین داری کی حامل تھی۔

کیا سفینہ نوح علیہ السلام نے ہمیں یکجا نہ کیا تھا؟

خطیب موصل ابو نصر احمد بن عبد القاہر کہتے ہیں کہ جب میں شیخ ابو اسحٰق سے ملنے بغداد آتا تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ کس شہر سے آئے ہو؟ میں نے کہا موصل سے، تو انہوں نے کہا ماشاء اللہ تم تو میرے شہر کے ہو؟ میں نے کہا اے میرے سردار میر شہر موصل اور آپ کا شہر فیروز آباد ہے۔ تو انہوں نے کہا میرے

بیٹے کیا سفینہ نوحؑ نے ہمیں یکجا نہ کیا تھا؟ ان کے اس حسن اخلاق لطافت اور زہد نے مجھے ان کا گرویدہ بنادیا۔
چنانچہ وفات تک میں ان کی صحبت میں رہا۔

شاگردوں سے انسیت اور شفقت

شیخ ابواسحٰق کہا کرتے تھے کہ جس نے مجھ سے ایک مسئلہ بھی پڑھ لیا وہ میرا بیٹا ہے، وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ عوام اپنی اولاد سے، مالدار اپنے مال سے اور علماء اپنے علم سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ نفع نہ دینے والا وہ علم ہوتا ہے جس پر عمل نہ ہو۔ وہ خود کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

علمت ماحلل المولی و حرمه　فاعمل بعلمك ان العلم بالعمل

ترجمہ: ''مولیٰ کی حلال کردہ اور حرام کردہ اشیاء کا علم تو تو حاصل کر چکا۔ اب اپنے علم پر عمل کر، علم وہی کہلاتا ہے جس پر عمل ہو۔

علمی کمال اخلاص اور اخلاق

قاضی ابوبکر محمد بن الباقی انصاری کہتے ہیں کہ:

میں ان کی طرف ایک استفتاء لے کر گیا تو وہ راستے میں مجھے ملے مجھ سے استفتاء لے کر نان بائی سبزی فروش کی دکان پر قلم اور دوات لے کر فوراً جواب لکھ دیا اور قلم کو اپنے کپڑے سے صاف کر کے جواب مجھے پکڑا دیا۔

مراقبہ الٰہی اخلاص، اظہار حق اور مخلوق کی خیر خواہی میں سے انہیں وافر حصہ ملا تھا۔ ان کے شاگرد ابوالوفاء بن عقیل حنبلی کہتے ہیں کہ میں اپنے شیخ ابواسحاق کی صحبت میں رہا ہوں، وہ فقیر کو کچھ دینے سے قبل نیت کا استحضار کر لیا کرتے تھے۔

کسی مسئلے میں گفتگو سے قبل وہ ''اعوذ باللہ'' پڑھتے اور مخلوق کی ستائش کے بغیر خالص نصرت حق کی نیت کرتے۔

کسی بھی تصنیف سے قبل وہ چند رکعتیں پڑھتے، ان کے اسی اخلاص کی وجہ سے ان کا نام اور ان کی تصانیف مشرق و مغرب میں پھیلیں۔

کہا جاتا تھا کہ وہ مستجاب الدعوۃ تھے۔

الحاوی ''ادب الدین والدنیا'' اور الاحکام السلطانیہ کے مصنف امام ابوالحسن ماوردیؒ اور شیخ ابواسحٰق ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ کسی مسئلے میں شیخ ابواسحاق کا کلام سن کر امام ابوالحسن ماوردی نے کہا، ابواسحٰق جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا، اگر امام شافعیؒ ان کو دیکھ لیتے تو وہ بھی ان پر فخر کرتے۔

سمعانیؒ کہتے ہیں کہ شیخ ابو اسحٰق شافعیہ کے امام، مدرسہ نظامیہ کے مدرس اور اپنے زمانہ کے شیخ تھے۔ مختلف شہروں سے لوگ جوق درجوق ان کی طرف آئے تھے۔ وافر علم کے ساتھ اچھی سیرت اور پسندیدہ راستے پر گامزن تھے۔ دنیا ذلیل ہوکر ان کے آستانے پر آئی لیکن انہوں نے اس کو ٹھکرادیا اور پوری زندگی سادگی اور تنگی میں گزاری۔ اصول وفرع اور اختلاف مذاہب میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ وہ زاہد متقی، متواضع، ظریف، سخی، کریم، خویش رو، ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملنے والے اور فصیح کلام والے شخص تھے۔ ان کے شاگرد کثیر تعداد میں تھے۔

مناظرہ

ابو اسحٰق مناظرے میں طاقتور شیر کی طرح تھے۔ دوران مناظرہ کتب کو دیکھنے کے لیے ان کے سامنے کوئی روشنی نہیں کی جاتی تھی۔

مشہور تھا کہ ان کو اختلافی مسائل سورت فاتحہ کی طرح یاد تھے۔ علم جدل ومناظرہ کے تو وہ ایسے مالک تھے جس نے اس کی لگام اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی، جب کوئی اپنے امام کے ساتھ آتا تو یہ ان کا امام اور اوران کے آسمان کا وہ بدر کامل ہوتا جس پر کسی نقصان کی واردات نہ ہوسکتی تھی۔

ابن جوزی محمد بن ناصر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوزکریا بن علی سلار عقیلی نے ہمیں یہ اشعار سنائے۔

كفاني اذا عزالحوادث صادم ينيلنی الماكول بالاثر والاثر

يقدويفوی فی اللقاء كانه لسان ابی اسحاق فی مجلس النظر

ترجمہ: ”حادثات کے غالب ہونے کے وقت مجھے وہ بہادر شخص کافی ہے جو تلوار کی چمک اور دلائل کے ذریعے مجھے خوراک پہنچائے۔ وقت آنے پر مخالف کو وہ ایسے کاٹتا ہے جیسے ابو اسحٰق کی زبان مجلس مناظرہ میں کاٹتی ہے۔

ابو اسحٰق کی بذلہ سنجی

ان کے سامنے جب کوئی مناظرہ کرنے والا غلطی کرتا تو وہ ازراہ مذاق فرماتے کون سا سکتہ آپ سے رہ گیا؟ کسی مسئلے میں دوران گفتگو جب ان سے کوئی موضوع سے ہٹ کر سوا کرتا تو وہ یہ شعر پڑھتے:

سادت مشرقة وسرت مغوبا شتان بين مشرق ومغرب

ترجمہ: ”وہ مشرق کی طرف چلی اور میں سوئے مغرب چلا، مشرق کی طرف چلنے والے اور مغرب کا رخ اختیار

کرنے والے کے درمیان کتنا ہی فاصلہ ہے۔

دو مناظرے

بعض مسائل فقیہہ میں ان کے اور ان کے ہم عصر و ہم وطن اور حنفیہ کی امامت میں ان کے ہم پلہ ابو عبداللہ دامغانی کے درمیان جو دو مناظرے ہوئے ہیں۔ ان کی روئیداد کتابوں میں محفوظ ہے۔

یہ دونوں مناظرے بغداد میں ایک تعزیتی مجلس میں ہوئے۔ ان میں سے ایک مناظرے میں ابو الولید باجی مالکی اندلسی بھی حاضر تھے۔ ایک وقت وہ طالب علم تھے۔ انہوں نے اس مناظرے کی روئیداد قلمبند کی ہے۔ ان کے حوالے سے علامہ تاج الدین سبکی نے اس مناظرے کو ابو اسحٰق کے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔

پانچویں صدی کے بغداد میں تعزیت کا رواج

باجی کہتے ہیں، پانچویں صدی میں بغداد میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کا کوئی معزز رشتے دار فوت ہو جاتا تو وہ چند دن تک اپنے محلے کی مسجد میں بیٹھتا۔ اس کے دوست اور بھائی بھی اس کے ساتھ وقتاً فوقتاً بیٹھتے رہتے۔ چند دن گذر جاتے تو وہ لوگ اس کو تسلی دیتے اور صبر کی تلقین کرتے اور اس کو اپنے کام کاج میں لگنے کا کہتے جس دنوں وہ تعزیت میں آنے والے لوگوں کے لیے مسجد میں بیٹھتا، ان میں اکثر قرآن کی تلاوت ہوا کرتی تھی یا پھر فقہی مسائل میں تعزیت کے لیے آنے والے فقہاء کا آپس میں مناظرہ ہوا کرتا تھا۔

امام الحرمین جوینی سے مناظرہ

اس کے بعد تاج سبکی نے نیشا پور میں ابو اسحٰق اور امام الحرمین کے درمیان ہونے والے دو مناظروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان دونوں مناظروں میں جب ابو اسحٰق اپنی قوت جدل کی وجہ سے ہوئے تو امام الحرمین نے کہا آپ مجھ پر اپنی نیکی اور پرہیز گاری کی وجہ سے غالب رہے۔

مجھے ان پر فخر ہے۔ سمعانی کہتے ہیں کہ ابو اسحٰق جب نیشا پور آئے تو لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور امام الحرمین اپنا رومال اٹھائے ان کے آگے خادموں کی طرح چلنے لگے اور یہ کہا مجھے ان پر فخر ہے حالانکہ اس وقت عراق اور جبال کے اکثر اساتذہ ان کے شاگرد اور متبعین تھے اور فخر کے لیے وہ کافی تھے۔ ابو اسحٰق شعر بھی کہا کرتے تھے چنانچہ وہ بہت عمدہ اشعار کہتے اور بے شمار لوگ ان کو یاد کرتے تھے۔

وفات حسرت آیات

ابو اسحٰق ؒ کا بغداد میں اتوار کی رات ۲۱ جمادی الثانی سن ۶ ۷ ۴ھ کو مشرقی دار الخلافہ کے رئیس الرؤساء کے بیٹے مظفر کے گھر میں انتقال ہوا۔ ان کے شاگرد ابو الوفاء بن عقیل حنبلی نے ان کو غسل دیا۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت فاطمہ حضورﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے چہیتی دختر نیک اختر ہیں آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی ولادت اعلان نبوت سے پانچ برس پہلے ہوئی اس وقت حضورﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی (طبقات ج ۸، ص ۱۶) وبھذا اجزم المدائنی (الاصابہ ج ۴، ص ۳۷۷) علامہ عبدالرؤف مناوی (۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس کا ذکر کیا ہے اور علامہ مدائنی نے اسی قول کو مضبوط کہا ہے اہل بیت کے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ کی ولادت نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی (اتحاف السائل ص ۲۴)

حضرت سیدہ فاطمہؓ کا حلیہ مبارک

حضرت فاطمہ کا حلیہ مبارک حضور اکرمﷺ سے بہت ملتا جلتا تھا امام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ کی چال ڈھال لب ولہجہ اٹھنا بیٹھنا بات چیت کرنا ہو بہو حضورﷺ کی طرح تھا مارأیت أشبه سمتا ولا هديا برسول الله ﷺ فی قیامها وقعدها من فاطمة رسول الله (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۷)

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۲۳ھ) لکھتے ہیں:

مارأیت أحدا کان أشبه کلاما وحدیثا برسول الله ﷺ من فاطمة (استیعاب ج ۴ ص ۳۷۷)

حضورﷺ جس طرح حسن و جمال کا پیکر تھے آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ کو بھی اللہ نے حسن و جمال کی دولت سے نوازا تھا حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے حضرت فاطمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت فاطمہ چاند سورج سے زیادہ حسین اور سیاہ بالوں والی تھی اور حضورﷺ سے بہت مشابہ تھیں۔

کانت کالقمر لیلة البدر والشمس کفر غما ما اذا خرج من السحاب بیضاء مشربة حمرة لها شعرأ سود من اشد الناس برسول الله ﷺ شبها. (مستدرک ج ۳ ص ۱۷۶)

(نوٹ) شیعہ عالم ملا باقر مجلسی نے حضرت انس کی والدہ کا یہ بیان بحار الانوار میں نقل کیا ہے (ج ۴۳ص ۶)

حضرت سیدہ فاطمہ کا نام ولقب

حضور اکرم ﷺ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی کا نام فاطمہ رکھا حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بہن اور سید الشہداء حضرت حمزہ کی بیٹی کا نام بھی فاطمہ تھا اور آپ شرف اسلام سے مشرف ہوئیں تھیں اور ہجرت کا شرف بھی پایا تھا علامہ احمد بن محمد قسطلانیؒ (۹۲۳ھ) مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

انما سميت فاطمة لان الله قدفطمها و ذريتها عن النار يوم القيامة اخرجة الحافظ و الد مشقى وروى الغسانى والخطيب مرفوعا لان الله فطمها و مجيبها عن النار (مواہب لدنیہ ج ا ص ۳۹۴)

حضور ﷺ نے اپنی بچی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی ذریت کو جہنم کی آگ سے بچایا ہے.....اور یہ نام اس لیے رکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے دوستوں کو آتش دوزخ سے بچایا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی نشو ونما ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جس سے زیادہ مقدس اور معظم گھر اس روئے زمین پر کہیں نہ تھا آپ نبوت کے سایہ میں پلتی رہیں ہوش سنبھالا تو آفتاب رسالت کی کرنیں آپ کے سامنے تھیں اور آپ نے ان کرنوں سے بھر پور فائدہ اٹھایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی بچی کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دے رکھی تھی اور آپ زہد و تقویٰ اور فضل وکمال میں بہت اونچے مقام پر فائز تھیں۔

آپ کی کنیت ام ابیہا تھی (اسد لغابۃ ج ۷ ص ۲۱۶۔ بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۹)

جبکہ آپ کے مشہور القاب سیدۃ النساء اہل الجنۃ ۔ زھراء۔ طاہرہ۔ مطہرہ۔ راضیہ مرضیہ زاکیہ اور بتول ہیں۔

حضرت جعفر صادق نے آپ کے القاب میں صدیقہ مبارکہ اور محدثہ بھی بتایا ہے (بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۰)

حضرت سیدہ بتول کے لقب سے اس لیے ممتاز ہوئیں کہ آپ کی فضیلت اور دین اور حسب کے اعتبار سے اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے فائق تھیں اور یہ بھی کہا گیا آپ دنیا سے بالکل منقطع تھیں ان کا سارا دھیان اللہ کی طرف تھا۔ (مواجب ج ا ص ۳۹۵)

حضور ﷺ پر ایمان لانے والا سب سے پہلا گھرانہ آپ ہی کا تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور آپ کی صاحبزادیاں آپ پر سب سے پہلے ایمان لائیں تھیں یہ آپ کا ہی گھرانہ تھا جو سب سے پہلے دار السلام بنا امام زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں:

والحاصل انه يحتاج للنص على سبقهن الى الاسلام لنشأتهن بين أحضا نه أ صدق و أكرم أبوة

وأفضل وأحنى امومة يأخذن عن أبيهن أكرم المكارم عن امهن حصائل العقل التى لا يوزن عقل امراة فى السابقين ولا فى اللا حقين

حاصل یہ کہ اس بات کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں کہ آپ کی بیٹیاں اسلام کی جانب پہلے کرنے والیوں میں سے تھیں کیونکہ ان کر پرورش سچے اور قابل احترام باپ کی آغوش میں ہوئی اور ایک محبت کرنے والی اور فضیلت رکھنے والی ماں کی گود میں ہوئی تھی اور یہ اپنے والد معظم کے اعلی مکارم اور اپنی والدہ محترمہ سے عقل کے وہ خصائل حاصل کر رہی تھیں کہ جس کی عقل سے اگلی پچھلی خواتین میں سے کسی کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ عرب کے معروف فاضل شیخ احمد خلیل جمعۃ لکھتے ہیں:

كان اسلام أسرة النبى زوجه وبناته اسلام الفطرة النقية التى غذيت بالايمان والنبوة ونشات على الفضيلة ومكارم الاخلاق فلله در هذه الا سرة المباركة (نساء مبشرات بالجنۃ ۲۰۴)

حضور ﷺ کے خاندان ان کی اہلیہ اور صاحبزادیوں کا اسلام صاف ستھری فطرت کا نتیجہ تھا جو ایمان اور نبوت سے غذا کے طور پر دیا گیا اور ان کی نشو ونما فضیلت اور اعلیٰ اخلاق پر ہوئی اس مبارک خاندان کیا کہنا۔

حضرت فاطمہؓ کا بچپن

حضور ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو کفار مکہ آپ کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچاتے تھے آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھانا اور آپ پر آوازیں کسنا تو ان کا روز کا معمول تھا آپ کبھی اللہ کی عبادت میں مصروف ہوتے تو قریش کے اوباش لڑکے آپ کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لیے ذلیل کام کرنے سے بھی نہ شرماتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور آپ کی بیٹیاں اس بات سے لاعلم نہ تھیں۔ حضور ﷺ جب کبھی اس بارے میں رنجیدہ خاطر ہوتے تو گھر والے آپ اس غم ورنج کو ہلکا کر دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز میں مصروف تھے قریش کے کچھ اوباش لڑکوں نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر حضور ﷺ کی پشت مبارک پر رکھ دی اور ہنسنے لگے کسی نے اس بات کی خبر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو آ کر دی حضرت فاطمۃ الزہراء کا بچپن تھا جب یہ بات سنی تو فوراً دوڑی اور حضور ﷺ کے پاس پہنچ کر اپنے ننھے منے ہاتھوں سے یہ بوجھ اتارا ﴿حتى جائته فاطمة فطرحته عن ظهره فرفع رأسه۔ صحیح بخاری ج ا، ص ۳۸﴾ اور جن لوگوں نے یہ حرکت کی تھی ان کو وہیں برا بھلا کہا حضرت فاطمہ اس وقت چھ سال کی تھیں۔

اسلام کی خاطر حضور ﷺ نے جو مصائب برداشت فرمائے آپ کے گھر والے بھی اس میں برابر کے شریک رہے اور ان شدائد و مصائب کو حضور ﷺ کی طرح آپ کے گھر والوں نے بھی خندہ پیشانی سے قبول کیا اور کبھی

اپنی زبان پر شکوہ وشکایت نہ لائے شعب (ابی طالب) میں حضورﷺ کے ساتھ حضرت سیدہ فاطمہؓ بھی محصور تھیں اوراس کا اثر آپ کی طبیعت پر کافی رہا تھا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال

ابھی آپ چھوٹی تھیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا اس حادثہ سے آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا آپ ایک محبت اور شفقت کرنے والی ماں سے محروم ہو گئیں۔ حضورﷺ نے اپنی بچی کی نگہداشت کے خیال سے حضرت سودہ بنت زمعہ (۵۴) کو اپنی زوجیت میں لیا حضورﷺ کی یہ دوسری شادی تھی جو نبوت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۶۷) ام المؤمنین حضرت سودہ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ کی نگہداشت میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ برتی۔ حضورﷺ کا زیادہ تر وقت تعلیم وتبلیغ میں گذرتا تھا تاہم گھر آتے تو اپنی بچی کو پاس بٹھاتے پیار فرماتے اور انہیں اچھی اچھی باتیں کی نصیحت فرماتے تھے۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کی ہجرت مدینہ

حضورﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ کے گھر والے مکہ مکرمہ میں تھے کچھ مدت کے بعد آنحضرتﷺ نے اپنے گھر والوں کو بلا لیا ان کو لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابو رافع مکہ گئے تھے۔ ام المؤمنین سودہ حضورﷺ کی بیٹیوں کو اپنے ساتھ مدینہ لے کر آئیں اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق کے گھر والے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ (بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص ۱۲۹) مدینہ منورہ میں رہائش کے دوران ام المؤمنین حضرت حفصہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ آپ کی بہن حضرت اسماء اور فاطمہ بنت زبیر اکثر آپ کے پاس آیا کرتیں تھیں اور ان کی دلجوئی فرماتی تھیں حضرت فاطمہ بھی ان کے آنے سے بہت خوش ہوتی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ آپ سے عمر میں چھوٹی تھیں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کا نکاح حضورﷺ کی تینوں بیٹیوں حضرت زینب حضرت رقیہ کی شادی ہو چکی تھی۔ حضرت ام کلثوم کا رشتہ بھی انہیں دنوں طے ہو رہا تھا۔ آنحضرتﷺ کو حضرت فاطمہ کی تزویج کا خیال درپیش ہوا اس وقت آپکی عمر ۱۵ سال اور کچھ ماہ تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) کی رائے ہے کہ حضرت فاطمہ کا نکاح غزوۂ احد (۳ ہجری) سے پہلے ہو چکا تھا اس لیے کہ حضرت حسن کی ولادت سن ۳ ہجری میں ہوئی تھی۔ (ازالہ الخفاء ص ۲۵۴) امام قرطبی کا خیال ہے کہ آپ کی شادی رمضان ۲ ہجری میں ہوئی جبکہ رخصتی ذی الحجہ میں ہوئی (تفسیر قرطبی) حضرت علی مرتضٰی کی عمر اس وقت ۲۱ سال اور پانچ ماہ تھی۔ (ماخوذ از سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، مولانا اقبال رنگونی)

بچوں کے صفحات

نبی اکرم ﷺ کا احترام

عزیز دوستو! آپ نے اورنگ زیب بادشاہ کا نام تو سنا ہوگا۔ یہ مغلیہ خاندان کا ایک طاقتور اور نیک بادشاہ تھا اور اس نے ہندوستان پر تقریباً ۵۰ سال تک حکومت کی تھی۔ ایک دفعہ ایک ایرانی شہزادہ اسے ملنے کے لیے آیا۔ اس نے اس کو رات اپنے کمرے میں سلایا۔ اس بادشاہ کا ایک خاص نوکر محمد حسن نام حبشی تھا جو بادشاہ کے قریب رہتا تھا، بھی اس کمرے کے باہر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ آدھی رات کو بادشاہ نے زور سے آواز دی ''حسن!''

نوکر نے لبیک کہا اور ایک لوٹا پانی سے بھر کر بادشاہ کے پاس رکھ کر واپس چلا گیا۔ ایرانی شہزادہ بادشاہ کی زوردار آواز سن کر جاگ اٹھا تھا اس نے یہ سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لیے اسے کچھ فکر سی لاحق ہوگئی کہ بادشاہ نے تو نوکر کو آواز دی تھی اور پانی کا لوٹا اس کے پاس رکھ کر چلا گیا ہے یہ کیا بات ہے؟

صبح ہوئی تو شہزادے نے محمد حسن سے پوچھا کہ رات والا معاملہ کیا ہے؟ مجھے تو خطرہ تھا کہ بادشاہ دن نکلنے پر تمہیں قتل کرا دے گا۔ کیونکہ تم نے بادشاہ کے کسی حکم کا انتظار کرنے کی بجائے لوٹا پانی سے بھر کر رکھ دیا اور خود چلے گئے۔ نوکر نے کہا:

''عالی جاہ! ہمارے بادشاہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی بغیر وضو نہیں لیتے۔ جب انہوں نے مجھے ''حسن'' کہہ کر پکارا تو میں سمجھ گیا کہ ان کا وضو نہیں ہے ورنہ یہ مجھے ''محمد حسن'' کہہ کر پکارتے اس لیے میں نے پانی کا لوٹا رکھ دیا تاکہ وضو کرلیں۔ شہزادہ یہ سن کر حیران رہ گیا۔ پیارے بچو! نبی اکرم ﷺ کا نام بھی احترام سے لینا چاہیے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؒ کا مضبوط ایمان

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب مسلمان مختلف علاقے فتح کرتے ہوئے شام کے ملک میں داخل ہو گئے تو رومیوں کو بہت طیش آیا۔ کیونکہ شام پر رومیوں کی حکومت تھی۔ وہ اسے برداشت نہ کر سکتے تھے کہ مسلمان ان کے ملک پر قابض ہو جائیں اس لیے انہوں نے مسلمان قیدیوں کے ساتھ نہایت سخت بے رحمی کا سلوک شروع کر دیا۔ انہوں نے تانبے کی ایک بڑی گائے بنائی، اس میں تیل گرم کر کے ڈال دیتے تھے۔

پھر مسلمان قیدیوں سے کہتے کہ یا عیسائیت قبول کرو یا اس تیل میں جلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مسلمان تیل میں جل بھن کر کباب بن جانا تو پسند کرتے تھے مگر عیسائی ہونا گوارا نہ تھا۔ ایک دفعہ شام کے ایک معرکے میں تقریباً ۸۰ مسلمان رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے، ان میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی تھے جو بڑے مضبوط بدن اور ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ اس وقت رومی لشکر میں روم کا بادشاہ خود موجود تھا۔ رومی، حضرت عبداللہ کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔

بادشاہ نے ان کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے لیے کہا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے انہیں دھمکی دی کہ تیل میں ڈال کر انہیں بھون دیا جائے۔ لیکن انہوں نے بے دھڑک کہا کہ تمہارا جو دل چاہے کر لو لیکن میں عیسائی نہیں بنوں گا۔ جب رومی ان کو خوف زدہ کرنے کے لیے ایک اور مسلمان قیدی کو بادشاہ کے سامنے لائے تو بادشاہ نے اس قیدی کو بھی اسلام چھوڑ کر عیسائی بن جانے کے لیے کہا۔ لیکن اللہ کے اس نیک بندے نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر رومیوں نے اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ وہ فوراً جل کر کباب ہو گیا۔

حضرت عبداللہؓ ان کا یہ انجام دیکھ کر رونے لگے۔ رومیوں نے کہا: ''اب موت سے ڈر کیوں روتے ہو ابھی وقت ہے عیسائیت قبول کر کے اپنی جان بچا لو ہم تمہیں رہا کر دیں گے''۔ رومیوں کی بات سن کر حضرت عبداللہؓ کی آنکھوں میں نورِ ایمان کی کرنیں پھوٹنے لگیں اور انہوں نے کہا:

''میں موت سے ڈر کر نہیں روتا بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے

لیے میرے پاس صرف ایک جان ہے۔کاش ایک جان کی بجائے میرے ہر بال کی جگہ ایک جان ہوتی اور میں ان سب جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا''۔

رومی ان کے جوشِ ایمان سے بہت متاثر ہوئے اور ارادہ کرلیا کہ ایسے مضبوط ایمان والے آدمی کو اپنے مذہب میں شامل کر کے رہیں گے۔انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر تم ہمارے بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دو تم ہم تمہیں ابھی رہا کر دیتے ہیں''۔

لیکن حضرت عبداللہؓ نے صلیب پرست اور مشرک بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دینے سے انکار کر دیا۔

رومیوں نے جب دیکھا کہ ہمارا یہ وار بھی خالی گیا ہے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو مال و دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیا لیکن انہوں نے ان سب کو ٹھکرا دیا۔آخر قیصرِ روم نے کہا کہ میری پیشانی چوم لو تو میں تمہارے سارے قیدی چھوڑ دونگا۔

اس بات کو سن کر حضرت عبداللہؓ نے اپنے باقی مسلمان بھائیوں کی خاطر قربانی دینے کا ارادہ کرلیا اور فوراً آگے بڑھ کر بادشاہ کی پیشانی کو چوم لیا۔اس طرح تقریباً ۸۰ آدمیوں کی جان بچ گئی۔

جب آپ مدینہ واپس آئے اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے فرطِ مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی اور دوسرے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ بھی ان کے سر کو بوسہ دیں۔یہ ان کے ایمان کی مضبوطی کا کرشمہ تھا کہ مسلمانوں کو رومیوں کی قید سے نکال لائے۔

پیارے بچو! اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بھی اسی طرح کا مضبوط ایمان عطا فرمائیں۔آمین

MONTHLY MAGAZINE
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213

www.milliafsd.com